ماہنامہ

المرشد

اللہ
رسول
محمد

اگست
2008ء

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

تیل کی قیمتوں نے آگ لگا دی

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

"اللہ کی مدد کی شرط"

یہاں کفار کے مقابلے میں اللہ کی مدد جو ہم شب و روز طلب کیا کرتے ہیں کیسے حاصل ہو بتا دیا کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی دین اسلام جو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور لایا ہوا دین ہے اس کی مدد کرو گے کہ خود اس پر عمل کی بھرپور کوشش کرو گے اور دوسروں تک پہنچانے کا پورا اہتمام کرو گے تو اللہ کریم تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہیں ثابت قدمی نصیب ہوگی کہ کفار کا سیاسی یا معاشی غلبہ تم پر نہ ہو سکے گا مگر افسوس آج ہم دین سے عملاً دور اور کفار کے نقش قدم پر چل کر اللہ سے مدد کی دعا کرتے ہیں اللہ ہمیں سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق دے۔ رہے کافر تو وہ تو اپنے کفر کے سبب ہی تباہ ہو گئے اور ان کی ساری محنت جس کی بنیاد کفر پر تھی اکارت گئی۔ دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں عذاب پایا اس لئے کہ احکام الٰہی سے تو انہیں چڑ تھی لہٰذا ان سے اگر کوئی بھلائی کا کام صادر ہوا بھی تو وہ ضائع ہو گیا اور یہ نتائج اس قدر واضح ہیں کہ یہ لوگ بھی دنیا میں گھوم پھر کر ظاہراً اپنے سے پہلے کافروں کا انجام اور ان کی بربادی کے نشانات دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ نے انہیں کس طرح برباد کر دیا اور کافروں کو یہی کچھ تو ملتا ہے اس لئے کہ ایمانداروں کا تو اللہ کارساز ہے ان کی نگہبانی فرماتا ہے جبکہ کفار اس پر ایمان نہ لا کر اس کی نگہبانی سے تو محروم ہوئے اور دوسرا کوئی ایسا ہے نہیں جو ان کی مدد کر سکے۔ صرف اللہ کریم ہی ہیں جو اس روز فیصلہ فرمائیں گے۔

اداریہ

تیل کا بحران کیوں؟

تیل اس وقت دنیا کی ناگزیر ترین ضرورت بن چکا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ جدت پسند دنیا کی زندگی کے پہیے کی ہر حرکت تیل ہی کی مرہون منت ہے۔ تیل کی عمر زیادہ طویل نہیں یہ آج سے صرف سو سال قبل دریافت ہوا۔ اُس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آگے چل کر یہ اس حد تک نظام زندگی پر اثر انداز ہوگا کہ ہر چیز کی قیمت تیل ہی سے جڑ کر رہ جائے گی۔ آج ہر طرح کی انڈسٹری، زرعی آلات، جدید مشینیں، ٹرانسپورٹیشن کا پورا نظام، ہر طرف پھیلے ہوئے مختلف کارخانے تیل ہی کے سہارے چل رہے ہیں اور ہر جگہ اور ہر چیز میں تیل کلیدی اہمیت کا حامل ہو چکا ہے۔ اس وقت دنیا میں ساڑھے آٹھ کروڑ بیرل یومیہ تیل استعمال ہو رہا ہے۔ پاکستان میں تیل کا استعمال دو لاکھ بیرل یومیہ ہے۔ ایک بیرل میں **180** لیٹر ہوتے ہیں اس تناسب سے پاکستان میں روزانہ تین کروڑ ۶۰ لاکھ لیٹر تیل استعمال ہو رہا ہے۔

دنیائے اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک کو تیل کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں تیل کے بڑے ذخائر مسلم ممالک ہی میں ہیں جن میں ایران، عراق، سعودی عرب، کویت، نائیجیریا اور قطر وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان کی بدقسمتی رہی ہے کہ حکمرانوں کی غفلت اور سرخ فیتے کی مہربانی سے پاکستان میں تیل کے ذخائر کی تلاش کے لئے وہ کوششیں نہیں کی گئیں جو کرنا چاہیئے تھیں۔ جس طرح نئے ڈیم بنانے اور بجلی پیدا کرنے میں مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا گیا تیل کے ذخائر کی تلاش میں بھی اسی طرح کی غفلت برتی گئی جس کا نتیجہ آج پوری قوم بھگت رہی ہے اور عام آدمی بدترین مہنگائی کے شکنجے میں جکڑا نظر آتا ہے۔ سال بھر میں چند کنوئیں دریافت ہوتے ہیں جن سے بمشکل **200** بیرل تیل مل سکتا ہے حالانکہ تیل کی تلاش کا کام ترجیحی اور ہنگامی بنیادوں پر کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس وقت ۸ ارب ڈالر تیل درآمد کرنے پر صرف ہو رہے ہیں۔

یہاں اس حقیقت کا بیان بھی از حد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برادر اسلامی ملک سعودی عرب ۱۹۹۹ء سے پاکستان کو یومیہ ایک لاکھ بیرل تیل مفت دے رہا ہے۔ اب سعودی عرب نے اعلان کیا ہے کہ وہ تیل کی قیمت وصول کرے گا لیکن اس میں بھی تین سال کی رعایت دی ہے۔ سعودی عرب کی طرف سے دیئے جانے والے تیل کے علاوہ پاکستان خود بھی یومیہ ایک لاکھ بیرل تیل پیدا کر رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک لاکھ بیرل سعودی عرب سے مل رہا ہے اور ایک لاکھ بیرل ملک خود پیدا کر رہا ہے اور ملک کے اندر تیل کی کھپت ہی دو لاکھ بیرل ہے اس کے باوجود پاکستان تیل کے حوالے سے مشکل کا شکار کیوں ہے اور غریب عوام پر مہنگائی کا نزلہ کیوں گرایا جا رہا ہے۔ اگر کسی وجہ سے تیل پر اضافی خرچ اُٹھ رہا تھا تو حکومت کی ذمہ داری تھی کہ عوام کو مہنگائی کے طوفان سے محفوظ رکھنے کے لئے تیل پر سبسڈی دیتی تاکہ مہنگائی کا یہ طوفان نہ اٹھتا۔

اس تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ تیل کے موجودہ بحران پر قابو پانے اور وسیع تر ملکی مفاد میں ایسی پالیسی اور حکمت عملی اختیار کی جائے کہ اس مستقل مسئلے پر قابو پایا جا سکے۔ تیل کے نئے ذخائر کی تلاش نئے ڈیمز کی تعمیر، ہائیڈرولک سسٹم سے بجلی پیدا کرنے اور شمسی توانائی کو زیر استعمال لا کر تیل کے بحران پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ موجودہ حکومت نے اس بحران سے نمٹنے کے لئے اگر بروقت مناسب اقدامات نہ اٹھائے تو تیل کی قیمتوں میں اضافے کے بعد مہنگائی کا اُٹھنے والا طوفان عوام کے ساتھ ساتھ حکومت کو بھی بہا لے جائے گا۔

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل

کونسی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر

متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدۂ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

''میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں، اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم، سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیض نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔''

/ غزل /

راہیں دو عالم کی روشن ہو گئیں
کتنا روشن ہے محبت کا جمال

جل گیا جب دل تو آئینہ بنا
ایک جیسے ہو گئے ہجر و وصال

تیری فرقت میں بہت ویراں رہے
زندگی کے کتنے رنگیں ماہ و سال

زخم جاں تو اور گہرا ہو گیا
ہائے تجھ کو بھول جانے کا خیال

بازوؤں میں اس کے طاقت تھی تیری
دھکے دیتا مجھ کو...... درباں کی مجال؟

زندہ ہوں در دشت ہجران حبیب
یہ بھی ہے صدق محبت کا کمال

تو نہ گھبرا ان جھمیلوں سے فقیر
زندگی تو ہے بجائے خود وبال

اقوالِ شیخ

☆......توکل یہ ہے کہ جو وسائل میسر ہوں انہیں پوری کوشش سے حاصل کر کے اپنے حصے کے فرائض ادا کر کے پھر اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔

☆......ایمان یا بڑھتا رہتا ہے یا گھٹتا رہتا ہے اس میں توقف نہیں ہے' اللہ استقامت دے تو ایمان ویقین میں زیادتی ہوتی رہتی ہے اور غلطی' کوتاہی اور وساوس سے ایمان میں کمی ہوتی رہتی ہے۔

☆......اللہ کو تلاش کرنا مشکل نہیں وہ تو قریب ہی ہے لیکن بندہ خود اتنا دور ہو جاتا ہے کہ خود کو تلاش کرنا محال ہو جاتا ہے۔

☆......قرآن حکیم میں تمام انسانیت کے لئے عقیدے اور نظریے سے لیکر عمل وکردار تک تمام قاعدے اور ضابطے سمو دیئے گئے اور تمام انسانیت نے اپنے لئے زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل پالیا۔

☆......تمام انبیاء کی تعلیمات میں عقائد ونظریات ایک ہی رہے' جہاں تک احکام کا تعلق ہے تو ہر قوم کو اس کی استعداد' قوت کار اور حالات کے مطابق علم دیا گیا۔

☆......دنیوی معاملات میں کافر سے اتنا معاملہ کیا جا سکتا ہے جہاں دین پر زد نہ آتی ہو لیکن کافر کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا جائز نہیں جہاں دین کا نقصان ہوتا ہو۔

کفار سے تعلقات کی نوعیت

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 27-06-2008

الحمدللہ رب العٰلمین○

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَّالہٖ

واصحابہٖ اجمعین○

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیم○

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم○

افلا یتدبرون القرآن...... ....علیھم سبیلاً○

سورۃ النساء آیات ۸۲ تا ۹۰

اللھم سبحنک لا علملناَ الا ما علمتنا اِنکَ انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِم دَائماً ابداً
عَلیٰ حَبیبکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے! اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں اختلاف پاتے۔ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کا اتباع نہیں کرتے وہ بظاہر مسلمان لیکن دلوں میں شبہات پالنے والے ہیں کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے غور نہیں کرتے کہ پوری کائنات کے ہر مسئلے کا حل کلام الٰہی کے سوا کہیں اور نہیں۔

دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی کا اتباع تو کرتا ہے شکم مادر سے علم لیکر پیدا نہیں ہوتا۔ دنیا میں آ کر دیکھتا ہے گھر کے ماحول، معاشرے، اساتذہ سے سیکھتا ہے پھر اپنی زندگی کیلئے اپنے نظریات و کردار کا فیصلہ کرتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو محمد رسول ﷺ کے اتباع کے لئے فیصلہ کرتے ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے جو تعلیم دی اس کی بنیاد اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ جس میں تمام انسانیت کے لئے ہر زمانے کیلئے ناقابل تغیر اصول وقوانین دے دیئے گئے ہیں۔

انسانوں کے ترتیب دیئے علوم اور مضامین اصول اور قواعد سائنسی مشاہدات و تحقیقات سب میں اختلافات موجود رہتے ہیں۔ کچھ تجربات کے بعد سائنس ایک کلیہ بناتی ہے بعد کے تجربات اور تحقیقات اسے رد کر دیتے ہیں اسی طرح ماہر قانون دان جمع ہو کر قوانین بناتے ہیں لیکن جب انکے عملی نفاذ کی باری آتی ہے تو اس پر عملدر آمد کے لئے کئی ترامیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے یا بعض قوانین نئے سرے سے مرتب کرنا پڑتے ہیں لوگوں کے بنائے ہوئے ضابطے اسی طرح غلطیوں اور کئی کمیوں کے باعث بدلنے پڑتے ہیں اور وہی لوگ پہلے والے قاعدوں ضابطوں کو غلط کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

افلا یتدبرون القرآن جو آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتے منافقت کرتے ہیں۔ جنہوں نے قرآن میں کبھی تدبر نہیں کیا کبھی

غور وفکر نہیں کیا۔ ولو کان من عند غیر اللہ لو جدو افیہ اختلافاً کثیراo اگر یہ اللہ کا کلام نہ ہوتا تو بے پناہ اختلافات ہوتے لیکن یہ تو ایسی کتاب ہے جو صحرائے عرب میں نازل ہوئی جس کو سب سے پہلے سننے اور سمجھنے والے صحرا نشین تھے جو نہ اہل مغرب سے واقف تھے نہ اہل مشرق سے نہ شمالی علاقوں سے واقفیت رکھتے تھے نہ دور دراز کے جنوبی علاقوں سے واقف تھے۔ ان لوگوں کو اللہ نے عظمت بخشی کہ برکات نبوت کو لے کر انہوں نے روئے زمین پر تقسیم فرما دیا حالانکہ ان کی سواری کے وسائل بھی وہی اونٹ گھوڑے ہی تھے دور دراز سفر کر کے جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچے اور یہ کمال ہے اس کتاب کا کہ اس میں مشرق ومغرب شمال وجنوب کی تمام انسانیت کے لئے عقیدے اور نظریے سے لیکر عمل و کردار تک تمام قاعدے اور ضابطے سمو دیئے گئے اور تمام انسانیت نے اپنے لئے زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل پالیا۔

حضور اکرم ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء بھی مبعوث ہوئے جو صحیفے اور کتابیں نازل ہوئیں وہ وحی الٰہی تھی اس میں اس قوم کے لئے احکامات وقوانین تھے جن کی طرف نبیؑ مبعوث ہوئے اور وہ قوانین وقتی ہوتے تھے خاص علاقے اور ماحول کے لئے سازگار اور بہترین ہوتے لیکن دوسرے علاقے اور اُن کے نبیؑ سے مختلف ہوتے۔ ہاں عقائد آدم علٰی نبینا سے لیکر حضور نبی کریم ﷺ تک وہی رہے جو پہلے روز نازل ہوئے تھے ذات باری صفات باری آخرت حشر نشر جنت دوزخ ملائکہ کے بارے تمام باتیں عقائد ہیں اور عقائد خبر ہے خبر کبھی تبدیل نہیں ہوتی اگر خبر تبدیل ہو تو یا پہلی خبر غلط ٹھہرے گی یا بعد میں آنے والی خبر لہٰذا عقائد ونظریات تمام انبیاء کی تعلیمات میں ایک ہی رہے جہاں تک احکام کا تعلق ہے تو ہر قوم کو اس کی استعداد قوت کار اور حالات کے مطابق علم دیا گیا۔ آقائے نامدار ﷺ تو ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے مبعوث ہوئے تو انہیں ضابطے بھی ایسے عطا فرمائے گئے جو قیامت تک کی ساری انسانیت کی رہنمائی کے لئے ہیں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ حضور ﷺ تو کبھی جزیرہ نمائے عرب سے باہر تشریف ہی نہیں لے گئے آپ ﷺ قوموں کے حالات اور ان کی استعداد کار سے واقف نہیں تھے لیکن تمام انسانوں کے لئے ایسے قوانین اور ضابطے دیئے جن میں نہ کسی ترمیم کی ضرورت پیش آئی نہ ان میں سے کوئی ختم ہوگا قیامت تک کے لئے وہی اصول ہیں اور اگر یہ ضابطے اللہ کے بنائے ہوئے نہ ہوتے کسی انسان کے بنائے ہوئے ہوتے تو یقیناً اختلافات ہوتے۔ قرآن حکیم تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ یہ اتنی مختصر سی کتاب ہے جسے ایک بچہ حفظ کر لیتا ہے عام آدمی پڑھ لیتا ہے سمجھ لیتا ہے اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق علوم ہیں کائنات بھر کے علوم یکجا ہیں۔ ستاروں، سیاروں بادل، بارش، زمین نباتات، جمادات وحیوانات تخلیقات باری انسان اور اس کے وجود عقل وروح سب ہی باتیں اس میں زیر بحث ہیں لیکن کہیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا جو اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن کچھ ایسے بد بخت ہیں جنہیں اطاعت پیغمبر نصیب نہیں ہوتی اور یہ ایسے عجیب کردار کے حامل ہیں کہ واذا جاء ھُم امر" من الامن اوالخوف اذاعوابہٖ انہیں کہیں سے ذرا سی خبر مل جائے تو اسے لے کر نشر کر دیتے ہیں وہ خبر امن کی ہو یا خوف کی کسی لشکر کی آمد کی ہو یا کسی دوست کی تو بجائے

اس کے کہ وہ یہ خبر بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کریں وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ قاعدہ تو یہ تھا ولو ردوہ' الی الرسول کہ جس نبی ﷺ نے دو جہانوں کی خبر دی جس نے اللہ کی کتاب دی اس کی بارگاہ میں عرض کرتے اگر وہ واقعی سچی خبر ہوتی تو نقصان دہ خبر کا تدارک ہو جاتا اچھی خبر ہوتی تو اس کی تصدیق ہو جاتی۔ یہاں بندہ مومن اور منافق کا فرق بتایا گیا ہے کہ بندہ مومن کے پاس جب کوئی خبر پہنچتی ہے تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتا ہے اور منافقین کو جب کوئی خبر پہنچتی ہے تو وہ اسے لوگوں میں مشہور کر دیتے ہیں۔ والیٰ اولی الامر منھم o قاعدہ تو یہ ہے کہ کسی ذمہ دار حاکم کو بتائے جو مسلمانوں میں سے ہو جو امیر المومنین ہو اس کے پاس عرض کرتے لعلمہ' الذین یستنبطو نہ' منھم . جو لوگ محقق ہوں وہ اس کی تحقیق کر لیتے اور عام آدمی پریشان نہ ہوتا جب یہ خبر پھیلا دیتے ہیں تو سوائے عامتہ الناس کو پریشان کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ منافقین کا ہے اگرچہ عوام کو پریشان کرنے کا یہ طریقہ آج کل ہمارے حکمرانوں نے اپنا رکھا ہے آئے روز نت نئے اعلانات کرتے رہتے ہیں تاکہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے وقتی طور پر ہٹائی جا سکے اور عوام اپنے مسائل میں ہی اتنے گھرے رہیں کہ حکمرانوں پر سوال نہ اٹھا سکیں۔ یہ طریقہ کار منافقین کا ہے مومن کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی خبر پہنچے تو وہ اس کو ذمہ دار ہستی تک پہنچاتا ہے جو ان کے فیصلے کرنے کی مجاز ہے اور مومنوں کے فیصلے کرنے کے مجاز وہ لوگ ہوتے ہیں جو انہی میں سے امیر بنائے جاتے ہیں۔

ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ' لا تبعتم الشیطٰن الا قلیلاً o اور اگر اللہ تم پر کرم نہ فرماتا اور تم دامن رسالت کو نہ تھامتے جیسا کہ آپ ﷺ کی بعثت سارے جہانوں کیلئے اللہ کی رحمت ہے اللہ پاک فرماتے ہیں وما ارسلنک الا رحمتہ اللعالمین (الانبیاء آیت ۱۰۷) کہ اللہ نے حضور ﷺ کو رحمتہ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے تو جس جس نے دامان رسالت کو تھاما اس پر اللہ کا کرم ہو گیا اللہ کی رحمت ہو گئی اگر یہ دامان رحمت نہ ہوتا اگر اللہ کی رحمت نصیب نہ ہوتی اگر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو تمہاری اکثریت تو شیطان کی ہی پیروکار ہوتی الا قلیلاً سوائے چند خوش نصیبوں کے اور وہ خوش نصیب وہی ہیں جنہوں نے دامان رحمت کو تھام لیا اور یہی فیصلہ کن بات قرآن نے بتائی ہے کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں کوئی بھی شخص دامان رحمتہ للعٰلمین کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے دو ہی تو راستے ہیں ایک راستہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ہے اور اس کے خلاف جتنے راستے ہیں وہ سب ایک ہی سمت کو جاتے ہیں جو شیطان کی پیروی کا راستہ ہے۔ تو فرمایا فقاتل فی سبیل اللہ اے میرے حبیب ﷺ آپ ایسے لوگوں کی پرواہ نہ کریں جن کے نصیب میں آپ کی غلامی نہیں ہے۔ انہیں کوئی اہمیت نہ دیں اور آپ ﷺ کی راہ میں قتال کریں۔ احقاء حق کے لئے' باطن کو باطل ثابت کرنے کے لئے' ظلم کو روکنے کے لئے' قیام امن کے لئے' اللہ کی مخلوق کو غیر اللہ کی خدائی سے چھڑانے کے لئے' انسانوں کے گلے سے انسانوں کے ڈالے ہوئے طوق کاٹنے کے لئے آپ ﷺ جہاد فرمائیے لا تکلف الا نفسک دوسرے لوگوں کی طرف سے آپ جوابدہ نہیں ہیں آپ ظلم کے خلاف فیصلہ فرمائیں اور پوری جانفشانی سے اس پر ڈٹ جائیں

اور جنہوں نے آپ ﷺ کا دامان رحمت تھاما ہے جو مومن کہلاتے ہیں وہ حرض المومنین انہیں ترغیب دیجیے کہ وہ آپ ﷺ کے اتباع میں اور آپ کی اطاعت میں جانوں کے نذرانے پیش کریں عسیٰ اللّٰہ ان یکف باس الذین کفرو مشرکین وکفار مدینۃ النبی اور اسلام کو ختم کرنے کے جو بڑے بڑے دعوے کررہے ہیں اللہ انہیں اس کی توفیق نہیں دے گا وہ قادر ہے وہ کافروں کا زور توڑ دے گا۔ ان میں وہ قوت نہیں رہے گی وہ مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اس لئے کہ واللّٰہ اشد باساً واشدُ تنکیلاً o اللہ جل شانہٗ جب کسی کی حمایت کرتا ہے، کسی کو فتح دینا چاہتا ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اللہ اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے کو سخت سزا دینے والا ہے اور ایک مغالطہ لگ گیا ہے کہ ان آیات کا اطلاق عہد نبوی ﷺ کے مومنین اور کفار پر ہوتا ہے جس میں مومنین کو بشارت اور کفار کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔ لیکن اصول یہ ہے کہ قرآنی آیات کا نزول بے شک خاص ہو اس کا حکم عام ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن حکیم قیامت تک کے لئے ہے اور ساری انسانیت کیلئے ہے قرآن حکیم آج ہمیں مخاطب کر کے فرما رہا ہے اگر تم لوگ قرآن پر عمل پیرا ہو گے اور دامان محمد رسول اللہ ﷺ کو تھامو گے، حق کو ثابت کرنے اور باطل کے خلاف ڈٹ جانے کا جذبہ جاں سپاری تم میں موجود ہوگا تو اللہ قادر ہے کہ کافروں کی قوت توڑ دے اور تمہاری مدد فرمائے۔ لیکن اگر تم نے دامان رسالت پناہی چھوڑ دیا تو یاد رکھو پھر اللہ کے عذاب کی زد میں آ جاؤ گے۔ اس آیت کو آئینہ بنا کر خود کو اگر ہم دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہم اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ اشیائے ضرورت مہنگی ہو کر عوام کی رسائی سے باہر ہو گئیں غریب کا بچہ غذا کو ترستا رہا اور امراء کے کتے اعلیٰ غذائیں کھاتے رہے۔ ہم اللہ کی نافرمانی پر کمر بستہ رہے اور بڑھتے بڑھتے اب عذاب کی صورت یہ بن چکی ہے کہ جس کے پاس رقم موجود ہے اسے اشیائے ضرورت نہیں ملتیں گاڑی ہے، رقم پاس ہے تیل نہیں ملتا۔ رقم موجود ہے آٹا نہیں ملتا، سرمایہ موجود ہے چیزیں نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ عذاب الٰہی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ سب چیزیں انسانی اعمال کے اثرات ہیں کہ عذاب الٰہی کا بنیادی سبب نبی کریم ﷺ کی نافرمانی ہے۔ یہاں معاملہ اتنا نازک ہے کہ من یشفع شفاعۃً حسنۃً یکن لہٗ نصیب منھا جب کوئی کسی کو اچھا مشورہ دیتا ہے نیکی کی ترغیب دیتا ہے تو جو شخص اس کے مشورے پر عمل کرے نیکی کرنے والے کو اجر ملتا ہے اور نیک مشورہ دینے والے کو بھی اجر ملتا ہے اور اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ومن یشفع شفاعتہ سیئتہً یکن لہٗ کفلٌ منھا جو کوئی بُرائی کرنے کا مشورہ دیتا ہے خود تو نافرمان ہے ہی دوسرے کو بھی بارگاہ رسالت کی نافرمانی پر اکساتا ہے تو اسے بُرائی کرنے والے کے عذاب میں سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ وکان اللّٰہ علیٰ کل شیءٍ مقیتاً o اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے پاس ہر چیز کا حساب ہے ہر شخص کے ہر عمل کا نتیجہ یقیناً ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر اثرات مرتب کرتا ہے وہ ہر شئے پر قادر ہے اور اسکی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں۔

واذا حییتُم بتحیۃٍ فحیوا باحسن منھا او ردوھا ان اللّٰہ علیٰ کل شیءٍ حسیباً o جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرے یا پاس سے گزرے تو جو کلمہ خیر وہ کہے

اس کا جواب کلمہ خیر میں اضافے کے ساتھ دینا چاہیے۔ اسلام نے السلام علیکم کی صورت میں بہت خوبصورت دعائیہ کلمہ تعلیم فرمایا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن سے بوقت ملاقات اللہ کی سلامتی کی دعا دیتا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ حسن اخلاق یہ ہے کہ جب کوئی السلام علیکم کہے تو اسے مشروع طور پر بڑھا کر اس کا جواب دو جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' کہو۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت ایک صحابی حاضر ہوئے اور السلام علیکم عرض کر کے بیٹھ گئے آپ ﷺ نے جواباً فرمایا وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' دوسرے صحابی حاضر ہوئے اور اسی طرح سلام عرض کر کے بیٹھ گئے آپ ﷺ نے انہیں اسی طرح اضافہ کر کے کلمہ خیر فرمایا تیسرے صحابی نے ان ساری دعاؤں کے ساتھ سلام عرض کیا یعنی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' آپ ﷺ نے فرمایا وعلیک اور تم پر بھی انہوں نے عرض کی حضور آپ ﷺ نے مجھ پر میرا اسلام لوٹا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے میرے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑا تم نے تمام مسنون دعائیں خود ہی پڑھ لیں مجھ پر بھیج دیں میں نے وہ ساری تم پر لوٹا دیں۔

اس واقعے کو سند بنا کر فقہا فرماتے ہیں مسنون اور مشروع یہی ہے کہ السلام علیکم کہا جائے اور جواب دینے والا وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' کہے اس سے زیادہ لمبا نہ کیا جائے یہ ضرور ہے کہ مومن کا جب بھی ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو خواہ وہ ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے بھی نہ ہوں تب بھی السلام علیکم اور وعلیکم السلام کا تبادلہ ضرور کریں اسلام سلامتی کا دین ہے اور ہر پہلو سے سلامتی چاہتا ہے۔ عقیدے کی سلامتی' فکر و سوچ کی سلامتی' عمل و کردار کی سلامتی اور ان سب کے لئے اسوہ نبی کریم ﷺ ہی کو اپنانا سلامتی کو پانا ہے۔ ان تمام نعمتوں کو عام کرنے کے بعد اللہ اپنی نعمتوں کا حساب بھی لے گا۔ ان اللّٰـہ علیٰ کل شی ءٍ حسیباo یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کریم ہر جملے اور ہر لفظ کا حساب لے گا۔ لہٰذا کام کرتے وقت' سوچتے وقت' زبان کھولتے وقت' ہاتھ پاؤں استعمال کرتے وقت اس طرف بھی توجہ کر لو کہ جو کرنے چلے ہو کل میدان حشر میں اس کا جواب بھی دینا ہوگا۔

ایک بزرگ سے کسی شخص نے عرض کی کہ اصلاح احوال کے لئے کچھ طریقے نصیحت فرمایئے انہوں نے کہا بیدار ہونے سے لیکر سونے تک جو کچھ کہو اور جو کرو وہ سب ایک جگہ لکھتے جانا سونے سے پہلے اسے خود پڑھنا کہ یہ سب کچھ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اسے رب کریم دیکھیں گے اچھائی پر اجر عطا فرمائیں گے اور غلطی پر باز پرس ہوگی۔ انہوں نے فرمایا تم نے اگر ایک دن بھی خلوص سے اسے دیکھ لیا تو عمر بھر کے لئے تمہاری اصلاح ہو جائے گی۔

اسی فکر کو ان آیات میں بیدار کیا جا رہا ہے کہ بندے کے ہر جملے کا اور ہر عمل کا حساب ہوگا اللہ لا الـہ الا ھو یہ طے شدہ بات ہے کہ صرف اللہ جل شانہٗ کی یہ شان ہے کہ اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے یہ حق صرف اللہ کا ہے اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں اس کی اطاعت کی جائے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا رئیس ہو' سردار ہو' طاقتور ہو یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے مقابلے میں ان میں سے کسی کی بات مانی جائے۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی کی بات

نہیں مانی جائے گی اور صرف اللہ کریم کی اطاعت کی جائے گی۔ اس لئے کہ لیجمعنکم الی یوم القیٰمته لا ریب فیه. اللہ ہی وحدہٗ لاشریک ہے جو تمہیں میدان حشر میں جمع کرے گا اور اس میں کسی شبے کی گنجائش بھی نہیں۔ اس کو اگر کوئی نہیں مانتا تو اسکی بدنصیبی کسی کو اس میں شک وشبہ ہے تو اسکی بدبختی ورنہ اس حقیقت میں تو شک وشبہ کی ادنیٰ سی بھی گنجائش نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور ساری مخلوق کو وہی وحدہٗ لاشریک وہاں جمع کرے گا اور اسی کی بارگاہ میں سب کو حساب دینا پڑے گا۔

ومن اصدق من الله حدیثاo اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات کون کرے گا وہ خالق ہے باقی سب اسکی مخلوق وہ سب پر قادر نہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہ کسی کا خطرہ وہ عظیم واعلیٰ مخلوق کی رسائی سے بلند وہ اصدق الصادقین وہ ذات باری تعالیٰ جو فرماتا ہے وہ اتنا بڑا سچ ہے کہ جسے جھٹلانے والا اپنے آپ کو تباہ کرلیتا ہے اللہ کا فرمان ایسی حقیقت ہے جو جھٹلائی نہیں جاسکتی۔

فما لکم فی المنفقین فئتین واللہ ارکسهم بما کسبو اتریدون ان تهدوا من اضل الله ومن یضلل اللہ فلن تجدله سبیلاًo فرمایا مسلمانوں کو منافقین کے بارے دورائے نہیں رکھنی چاہیے۔ کچھ لوگ رواداری کی اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ کفار ومشرکین کے ساتھ ایسے تعلقات قائم کرلیتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں لیکن اسکا جواز وہ یہ دیتے ہیں کہ ان کے اس رویے سے شاید وہ بھی مسلمان ہوجائیں۔

ان آیات میں منافقین کی حقیقت کھول دی گئی ہے کہ کفر اور نفاق کسی جہالت ُلاعلمی یا غلطی کی بناء پر نہیں یہ انسانوں کی نیت ارادہ اور جان بوجھ کر اپنائے گئے اعمال بد کے نتیجے کے طور پر بطور سزا اللہ کی طرف سے مسلط ہوتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ ایک شخص دل سے اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے دل سے اللہ پر ایمان رکھنا چاہتا ہے دل سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنا چاہتا ہے اور پھر اتفاقاً منافق ہوجاتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا بلکہ واللہ ارکسهم بما کسبوا کفر اور نفاق میں مبتلا ہونا اللہ کی طرف سے وہ بہت بڑی سزا ہے جو اس کے کردار کے بدلے دنیا میں اسے دی گئی ہے۔

کفار ومنافقین کے ساتھ تعلقات رکھنے کی حدود مقرر ہیں تفصیل کا موقع تو نہیں لیکن ایک اصول عرض کردوں کہ دنیوی معاملات میں کافر سے اتنا معاملہ کیا جاسکتا ہے جہاں دین پر زد نہ آتی ہو لیکن کافر کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا جائز نہیں جہاں دین کا نقصان ہوتا ہو آج ہم نے کفار سے نئی روشنی خریدی ہمیں اس سے کیا ملا بہو بیٹیوں کو بے پردہ کیا پھر ان سے گانے سنے رقص کروائے اور بیٹھ کر تماشا دیکھا۔ یہ وہ روشنی ہے جو کفار ومنافقین سے ایسے تعلقات قائم کرنے سے آئی جن کی شرعاً ممانعت تھی کسی نے کہا تھا۔

اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

یہ روشنی تو اندھیرے سے بھی بڑھ گئی۔ دینی اقدار تباہ ہوئیں۔ سو کفار سے معاملہ اتنا ہی کیا جاسکتا ہے جس کا اثر دینی اقدار پر نہ پڑے مثلاً غیر مسلم دکاندار سے خرید وفروخت کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ مسلمان مزدور کافر کے ہاں ملازمت کرسکتا ہے یہ وہ معاملات ہیں جن سے دل متاثر نہیں ہوتا لیکن ایسی دوستی جس سے کفار کی عادات رسومات اور ان کا کردار مسلمان اپنانے لگے وہ شرعاً حرام ہے لہذا وہ لوگ جو یہ سمجھ کر دلی دوستی کرتے ہیں کہ

ایسا کرنے سے شاید یہ بھی مسلمان ہو جائیں تو اللہ کریم فرماتا ہے کہ وہ تو اپنے کفرونفاق کے باعث پہلے ہی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہیں تم اُن سے اللہ کا عذاب کیسے ہٹا سکتے ہو۔ اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ. جس کو اللہ نے اسکے اعمال بد کے سبب گمراہ کر دیا کیا تم اسے ہدایت دے دو گے۔ اگر اس میں صلاحیت ہوتی تو اللہ اسے نفاق و کفر کی سزا نہ دیتا۔ تمہارے ذمے تو یہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے اللہ کا دین پیش کرو احکام الٰہی احادیث مبارکہ سب بیان کرو اور غیر محدود کر کے پوری دنیا کے لئے بیان کرو جس کسی کے دل میں اللہ کی طرف پلٹنے کا احساس پیدا ہوگا اسے توبہ نصیب ہوگی وہ اللہ کے حضور توبہ کرے گا تو اللہ کریم اسے ہدایت دیں گے تم کفار منافقین سے مشروع تعلقات رکھ کر کافر کا کردار اپنا کر اپنا نقصان کر بیٹھو گے اس کا کچھ سنوار نہیں سکو گے۔ یاد رکھو ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلاo جس کی بات اللہ سے بگڑ جائے جس سے ایسا جرم سرزد ہو جائے جس کے بدلے اس سے نور ہدایت چھین جائے جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی شخص راستہ نہیں بنا سکتا۔

ودوا لو تکفرون کما کفروا اور کفار جن سے تم بھلائی کی امید لئے پھرتے ہو وہ تو یہ آرزو کرتے ہیں کہ جس طرح وہ کفر میں مبتلا ہیں تم بھی دین چھوڑ کر ان جیسے ہو جاؤ تمہیں تو یہ غلط فہمی ہے کہ تمہاری دوستی سے ان کی اصلاح ہو جائے گی اور انہیں یہ امید ہے کہ تم ان سے دوستی کرو تو وہ تمہیں بھی کفر میں کھینچ لیں تا کہ جس گمراہی کی دلدل میں وہ خود ہیں تمہیں بھی وہاں پہنچا کر رہیں۔ فتکونون سوآءً وہ تو تمہیں اپنے رنگ میں میں رنگنا چاہتے ہیں لیکن مومن کو اپنے نبی پاک ﷺ کے اطوار چھوڑ کر کافروں کا کردار اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فلا تتخذوا منھم اولیاء کافروں کے ساتھ تو تم بھول کر بھی دلی دوستی نہ کرو۔ مومن کا دل تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے پرتو جمال کا آئینہ ہوتا ہے اور کافر کا دل کفر کی ظلمت سے بھرا ہوا ہوتا ہے ان دلوں میں دوستی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مومن اپنے دل میں کافر کو جگہ دے گا تو کیا اس کے ساتھ اس کا کفر نہیں آئے گا؟ سو کافروں کے ساتھ دلی دوستی مت رکھو حتی یھاجروا فی سبیل اللہ کوئی کافر ہجرت کر جائے اسلام میں داخل ہو جائے اسلام قبول کر لے تو پھر وہ تمہارے لئے قابل احترام ہو جائے گا اور اگر وہ اسلام سے انکار کرتے ہیں فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم اللہ کی مخلوق پر غیر اللہ کی حکمرانی قائم کرتے ہیں۔ اللہ کی کائنات میں غیر اللہ کی پوجا کرانے پر اصرار کرتے ہیں اللہ کی مخلوق کو غلام بنا کر ان پر ظلم کرتے ہیں تو پھر ان کا مقابلہ کرو' ان کو پکڑو' جہاں مل جائیں ان کو قتل کرو۔

یہ تمام ہدایات تو مسلمانوں کے لئے ہیں کہ ان کی امداد پر بھروسہ رکھو نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ۔ لیکن جو جیتے ہی امریکی امداد پر ہیں' جو زندہ ہی کافر کی خیرات پر ہیں جو کافر کی اترن پہن کر دوسروں پر اپنی شان جتانا فخر سمجھتے ہیں اُن کی سمجھ میں یہ باتیں کہاں آئیں گی مومن کے لئے اس سے مرجانا بہتر ہے کہ وہ کسی کافر کی اُترن پہنے لیکن ہمارے ہاں جو نیا کپڑا نہیں خرید سکتا وہ کافروں کے استعمال شدہ کپڑے لنڈے سے خریدتا ہے ذرا سوچیئے ان ملبوسات میں انہوں نے کتنا کفر کیا ہوگا کتنی قباحتیں کی ہوں گی کتنی شراب پی ہوگی کتنا حرام کھایا ہوگا تو ان ملبوسات سے

ہمارے لوگ کس طرح اپنی شان بڑھاتے ہیں تو ہماری سمجھ میں شاید قرآن حکیم کی یہ زبان نہ آئے ہم ان باتوں کو شاید نہ سمجھ سکیں لیکن حق یہی ہے۔

فرمایا جو اسلام کے خلاف کوشش کرتا ہے بندہ مومن کا فرض ہے کہ اس سے مقابلہ کرے اس سے قتال کرے۔ جب تک وہ ظلم سے باز نہ آئے اس سے قتال کیا جائے۔

الا الذین یصلون الیٰ قومٍ بینکم وبینھُم میثاق ' اوجآء وکُم حصرت صدورُھُم ان یقاتلو کم اویقاتلوا قومھم ولو شآء اللہ لسلطھم علیکم فلقتلو کم فان اعتزلو کم فلم یقاتلو کم والقواالیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلاًo فرمایا کچھ ایسے لوگ جو ان قبائل سے مل جاتے ہیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان سے درگزر کرو۔ ایسے لوگ جو دل سے تمہارے ساتھ ہو جاتے ہیں ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں اور اگر اللہ چاہتا تو کفار کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تمہیں قتل کرتے چلے جاتے۔

اب اپنا حال دیکھیئے کیا آج کافر مسلمانوں پر مسلط نہیں ہیں؟ پوری دنیا میں مسلمانوں کا قتل عام نہیں کر رہے؟ کیا یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم معاشی طور پر کمزور ہیں؟ ہر گز نہیں۔ وسائل زندگی کا جائزہ لیں تو جغرافیائی طور پر مسلمانوں کے ممالک میں دنیا کی بہترین بندرگاہیں ہیں' ساری زرخیز زمینیں مسلمانوں کے پاس ہیں' معدنیات کا خزانہ تیل' سونا' چاندی کے ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں تو پھر مسلمان کیوں مار کھا رہے ہیں؟ اسکی یہ وجہ بتائی جا رہی ہے کہ جب مسلمان کافروں کو دوست بنائیں گے ان کے مشوروں پر عمل کریں گے تو کفار بطور سزا ان پر مسلط کر دیئے جائیں گے پھر وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے رسوا کریں گے۔

نزول آیت کے وقت یہ تنبیہ کی گئی کہ مسلمانو! اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے ساتھ یہ سلوک ہوگا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہم نے دامن مصطفوی کو چھوڑ کر کافروں کے ہاں پناہ لی تو اللہ نے ہم پر کافر مسلط کر دیئے۔ آج وہ ہمیں قتل کر رہے ہیں مار رہے ہیں اور ہماری حکومتوں میں اتنی سی ہی جان ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اپنے شہریوں کی ہلاکت پر احتجاج کرتے ہیں یہ ایسا ہی احتجاج ہے جیسے وڈیروں جاگیرداروں گاؤں کے چودہریوں کے غنڈے کسی غریب مزدور کو پکڑ لیں اور مار مار کر بھرکس نکال دیں اور جب اسے چھوڑیں تو وہ کہے کہ وہ اس بات پر بہت احتجاج کرتا ہے کہ اسے مارا گیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی بس یہی جرات رہ گئی ہے کہ وہ جوتے کھانے کے بعد کہتے ہیں جی آج تو آپ نے ہمیں بہت مارا ہے۔

اور اگر تم کافروں سے اور کافر تم سے الگ رہیں تم کافروں کی رسومات نہ اپناؤ انہیں اہمیت نہ دو انہیں اپنا سردار نہ مانو تو پھر وہ تمہارے ساتھ لڑنے کی جرات نہیں کریں گے بلکہ تمہیں صلح کے پیغام بھیجا کریں گے **فما جعل اللہ لکُم علیھم سبیلا o** اور جب وہ لڑنے کا ارادہ چھوڑ دیں صلح کے پیغام بھیجنا شروع کر دیں تو پھر مسلمانوں کو بھی لڑائی کی اجازت نہیں ہے پھر مسلمان ان پر جنگ مسلط نہیں کر سکتے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

ہمارے کا سارا اسلام..............!

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 20-07-2007

الحمدللہ رب العٰلمین o

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وّالہٖ

واصحابہٖ اجمعین o

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرجیم o

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیمِ o

ولقد نصر کُم ببدرٍ وانتم اذلّۃٌ...... فینقلبوا خآئبین o

سورۃ آل عمران آیات ۱۲۳ تا ۱۲۷

اللھُم سبحنک لا علملنآ الا ما علمتنا اِنک

انت العلیمُ الحکیم

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمُ دَائِمـاً ابـداً

عَلَی حَبِیبکَ مَنُ زانـت بِـہٖ الُعُـصُروا

ارشاد ہوتا ہے اللہ کریم نے آپ لوگوں کی میدان بدر میں مدد فرمائی جبکہ تم لوگ بے سروسامانی کی حالت میں تھے کھانے پینے کے وسائل جنگی اسلحہ' سواریاں اور مسلمانوں کی تعداد ہر چیز قلیل تھی یعنی اسباب ظاہری کے اعتبار سے آپ لوگ بے سروسامان تھے اور کفار مکہ وسائل اور عددی قوت کے حساب سے بہت مضبوط حیثیت میں تھے لیکن اللہ کریم نے مدد فرمائی اور مشرکین وکفار مکہ کو شکست فاش ہوئی اور روئے زمین پر حقیقی انقلاب برپا ہوا جس نے آنے والے ادوار کو روشن کر دیا۔ ایسا انقلاب برپا ہوا جس کی مثال رہتی دنیا تک ملنی محال ہے بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلاب یا تبدیلی صرف اسے کہا جا سکتا ہے جو آقائے نامدار ﷺ نے برپا فرمائی۔ ورنہ قدرتی طور پر حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں پھر کچھ عرصہ بعد اسی ڈگر پر واپس آ جاتے ہیں لیکن یہ ایک ایسی تبدیلی تھی ایک ایسا معرکہ حق وباطل تھا جس کی بنیاد حضور ﷺ نے فرمائی جس نے صدیوں گزرنے کے بعد بھی حق وباطل کے درمیان حد فاصل قائم کر رکھی ہے حق ہی حق ہے اور باطل باطل ہے کوئی درمیانی راستہ نہیں نہ آج کوئی درمیانی راستہ ہے نہ کبھی ہوگا اور انشاء اللہ قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا جس دن دنیا سے حق نابود ہو گیا اس دن یہ دنیا بھی نابود ہو جائے گی۔ فرمایا یہ عظیم فتح تھی جس سے آپ کو نوازا گیا اور اصول یہ ہے کہ اللہ کے ایماندار بندے ہمیشہ اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں ہر اسلامی اصطلاح کم وبیش اپنے حقیقی معنوں کے بجائے بڑے سطحی معنوں میں سمجھی جاتی ہے جیسے توکل ہماری زندگی میں روزمرہ استعمال کا لفظ ہے اور آج عموماً اس کا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ آدمی خود کچھ نہ کرے بس دعائیں کرتا رہے اور سمجھے کہ وہ بڑا متوکل ہے۔ توکل کا یہ مفہوم سرے سے غلط ہے۔ اس لئے کہ بدر میں حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اللہ پر توکل کا جو مظاہرہ فرمایا جس کا تذکرہ ان آیات میں ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ بدر میں بظاہر دنیوی اعتبار سے مسلمانوں کی فتح کے اسباب نظر نہ آتے تھے لیکن آپ ﷺ نے مدینہ منورہ سے بدر تک کا سفر فرمایا تین سو تیرہ وہ جانثار تھے جن میں کچھ عمر رسیدہ کچھ نوعمر اور کچھ بچے بھی تھے بلکہ بچوں

کے انتخاب کا ایک واقعہ ملتا ہے کہ دو بچے خدمت اقدس میں پیش ہوئے اور جہاد کی اجازت طلب کی آپ ﷺ نے ایک بچے کو چن لیا تو دوسرے نے خدمت عالی میں عرض کی کہ حضور ﷺ آپ بے شک میری پہلے والے لڑکے سے کشتی کروا کر دیکھ لیں میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں آپ ﷺ نے اسکی خواہش قبول کر کے کشتی کی اجازت دے دی اس نے پہلے والے کے کان میں کہا میں جانتا ہوں تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اسی لئے تو تمہیں آپ ﷺ نے پہلے چن لیا لیکن میں بھی جہاد میں حصہ لینے سے محروم نہیں رہنا چاہتا تم خواہ مخواہ ہی مجھ سے ہار جانا تا کہ میں بھی بدر کے معرکے میں شامل ہو سکوں۔ اس طرح کم سن بچوں سمیت تین سو تیرہ افراد بنے اور وسائل اسباب کا عالم یہ تھا کہ بعض صحابہ کرام کے پاس صرف دو چادریں تھیں جو انہوں نے ستر چھپانے کے لئے باندھ رکھی تھیں یہی حال اسلحہ اور خوراک وراشن کا تھا لیکن حضور ﷺ مدینہ منورہ سے تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر سفر کر کے تشریف لے گئے صحابہ کرامؓ کی باقاعدہ صف بندی کروائی میدان جنگ میں مورچے مقرر فرمائے سالار متعین فرمائے مہاجرین وانصار کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے مقرر فرمائے اپنا علم مبارک اپنی زوجہ محترمہ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے دوپٹے سے بنایا گیا حضرت عائشہؓ کے دوپٹے کیساتھ حضور ﷺ کی آبرو وابستہ ہے آپ ﷺ نے اسکی حرمت کی اہمیت کے ساتھ علم بنایا یہ وہ تمام اسباب ظاہری تھے جو آپ ﷺ نے اختیار فرمائے اور پھر عریش بدر میں دعا فرمائی۔ ''اے اللہ میں آج سارے کا سارا اسلام یہاں لے آیا ہوں اگر یہ لوگ یہاں کھیت رہے تو قیامت تک کوئی پیشانی تیرے سجدوں سے آشنا نہ ہو سکے گی''۔

یہ لوگ کون تھے مٹھی بھر کمزور وضعیف، بچے اور چند جوان وسائل کے لحاظ سے پس ماندہ لیکن جذبہ دل ایسا تھا کہ گوشت پوست کے انسان جذبہ ایمان میں ڈھل گئے وہ وجود نہ رہے نظریہ بن گئے اسی لئے حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں بڑے مخلص نیک بندے لایا ہوں بلکہ فرمایا یا اللہ میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں۔ یہ تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا یقین قلبی اس درجے کا کامل ہوا کہ ان کی ذات باقی نہ رہی وہ مجسم اسلام بن گئے۔ آج کے بزعم خود علماء اور مفسر کہلوانے والوں کا یہ حال ہے کہ اپنی تحریروں میں وہ اپنے آپ کو جج بنا کر صحابہ کرامؓ کو جواب طلبی کے لئے اپنی بارگاہ میں کھڑا کر کے اُن پر اعتراض کرتا ہے اور اپنی طرف سے جواب طلبی کرتا ہے۔

صحابہ کرام وہ ہستیاں ہیں جن کے بارے حضور ﷺ فرماتے ہیں یہ سارے کا سارا اسلام ہے۔ سب مسلمان اللہ کی رحمت سے امید بھی رکھتے ہیں اور اسکی گرفت سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ ایمان بیم ورجاء کے درمیان ہے کہ اسکی گرفت کا اُس کے غضب کا ڈر بھی رہے اور اسکی رحمت کی امید بھی ٹوٹنے نہ پائے یہی حال ہے یہ لوگ ایمان کے اس درجے پر تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بدر کے تین سو تیرہ افراد کے اس نتیجے کا اعلان دنیا میں فرما دیا جس کا اعلان روز حشر ہوگا فرمایا جو بدر میں موجود تھے وہ آج کے بعد جو جی چاہے کریں جنت اُن کے لئے واجب ہوگئی۔ شارحین حدیث اس کی شرح میں یہ تفصیل بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ارشاد پاک میں انہیں جنتی ہونے کی نوید بغیر کسی شرط اور قید لگائے دی گئی ہے گویا کچھ بھی کریں سے مراد اچھائی برائی دونوں ہو سکتے ہیں لیکن اس سے مراد نبوی ﷺ یہ ہے کہ جسے اللہ جنتی بنا دیتا ہے اس کی آرزوئیں اور تمنائیں بھی اہل جنت کی سی ہو جاتی ہیں اس کا کردار بھی اہل جنت جیسا ہو جاتا ہے اس کا جی وہی چاہتا ہے جو اہل جنت کو سزاوار ہے۔

آپ ﷺ کا اہل بدر کے بارے ایک اور ارشاد پاک بھی ہے کہ

اُمت میں اگر کبھی اختلاف ہو اور اُمت دو طبقوں میں بٹ جائے اور اہل بدر میں سے کوئی ایک فرد بھی اس وقت دنیا میں موجود ہو تو اس کی رائے پر عمل کیا جائے اس لئے کہ وہ جنتی ہیں اور اہل بدر کی رائے وہ ہوگی جو اللہ کو پسند ہے۔ گویا حضور علیہ وسلم نے اُمت کے تمام طبقوں پر ایک ہستی کی رائے کو مقدم فرمایا جو اہل بدر میں سے ہو۔

توکل کا معنی یہ ہے کہ فتح بدر تو حضور علیہ وسلم کی دعا کی بدولت ہوئی لیکن آپ علیہ وسلم نے تمام وسائل واسباب دنیوی پوری ہمت وکوشش کیساتھ پورے فرمائے اور پھر اللہ پر بھروسہ کیا۔ یہ توکل کرنے کا طریقہ ہے اور آپ علیہ وسلم کی سنت ہے یہ توکل نہیں کہ بچوں کو بھوکا پیاسا چھوڑ کر بوڑھے والدین کو تنہا چھوڑ کر تبلیغ دین کے لئے نکل جائیں اور کہیں کہ ان اہل خانہ کا اللہ مالک ہے میں اللہ پر توکل کر کے نکل پڑا ہوں۔ ہرگز یہ توکل نہیں۔ دین کی خدمت کے لئے جانا بہت بڑی سعادت ہے لیکن توکل یہ ہے کہ جتنے دن گھر سے غیر حاضر رہنا ہے اتنے دن گھر والوں کی تمام ضروریات کا انتظام کر کے جائیں ہر بندے کا اول فرض اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال ہے سو توکل یہ ہے کہ جو وسائل میسر ہوں انہیں پوری کوشش سے حاصل کر کے اپنے حصے کے فرائض ادا کر کے پھر اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔ اور اللہ کا یہ انعام اس لئے کہ لعلکم تشکرون تاکہ تمہارے اندر احساس تشکر پیدا ہو جائے اور اللہ کے احسانات کا احساس ہو جائے شکر کیا ہے؟ اہل علم نے اسکی بہت سی تشریحات کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ اس پر اللہ کے اتنے احسانات ہوئے ہیں کہ وہ تو اللہ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن حق یہ ہے کہ اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ اللہ کتنا کریم ہے اور بندہ محسوس کرے کہ وہ ہر لحظہ اس کا کتنا محتاج ہے وہ ہر معاملے میں کتنا بے نیاز ہے کہ اسے کسی طور کسی کی ضرورت نہیں اور بندہ کس قدر محتاج ہے اور وہ بے نیاز ہو کر کتنا کریم ہے کہ وہ اپنے بندوں کا خیال رکھتا ہے۔

اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثۃِ الف من الملٰکۃِ منزلین غزوہ بدر کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ کے تین ہزار فرشتے خاص تمہاری مدد کے لئے جنگ میں شمولیت کے لئے اُتارے جائیں گے۔ یوں تو اللہ نے اپنے نظام کو جاری وساری رکھنے کے لئے کثیر جماعت ملائکہ کو کام پر لگا رکھا ہے ایک ایک وجود پر فرشتے متعین ہیں بارش بادل ہوا فصلوں کے اگنے پھلوں کے پکنے ہر کام پر اللہ کے مقرر کردہ فرشتے اپنے حصے کا کام کرتے رہتے ہیں لیکن اہل بدر وہ خوش نصیب ہیں کہ جن کی مدد کے لئے مقربین بارگاہ فرشتوں کو خاص الخاص فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ جا کر میدان بدر میں ان کی جگہ لڑو اس لئے کہ اہل بدر وہ ہیں جن کی اپنی ذات مرضیات باری میں فنا ہو چکی وہ گردن کٹواتے بھی اللہ کے لئے ہیں اور کافر کو قتل کرتے بھی اللہ کے لئے ہیں اللہ پاک فرماتے ہیں یہ میرے وہ بندے ہیں جنہیں میں غالب رکھنا چاہتا ہوں اور تم وہ فرشتے ہو وہ مخلوق ہو جنہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ ہم تیری عبادت کو کافی ہیں ایک نئی مخلوق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ تو زمین پر فساد بپا کرے گی، اور میں نے تمہیں کہا تھا **انی اعلم مالا تعلمون** کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو سو آج جا کر دیکھو یہ کیسی مخلوق ہے؟ یہ کس طرح اللہ کے احکام پر قربان ہوتے ہیں یہ جا کر دیکھو اور ان کی جگہ ان کی ذمہ داری تم ادا کرو **بلیٰ ان تصبروا وتتقوا** صبر وشکر کیساتھ تقویٰ کیساتھ میدان میں قدم جما کر کھڑے رہو جیسا کہ پہلے بھی تم اللہ کے بھروسے پر قائم رہے ہو۔ **ان تصبروا وتتقوا** فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ ایمان یا بڑھتا رہتا ہے یا گھٹتا رہتا ہے اس میں توقف نہیں ہے اللہ استقامت دے تو ایمان ویقین میں زیادتی ہوتی رہتی ہے اور غلطی

کوتاہی وساوس تنزل کا سبب بن جائیں تو ایمان میں کمی ہوتی رہتی ہے سو ایمان اگر بڑھے نہ تو گھٹتا رہتا ہے اور اگر گھٹے نہیں تو بڑھتا رہتا ہے سو صحابہ کرامؓ وہ لوگ تھے جن کے ایمان کامل تھے جنہیں رفاقت آقائے نامدار ﷺ میسر تھی انہیں رب العالمین سے ایسا خصوصی تعلق نصیب تھا کہ ان کے لئے فرمایا اگر تم صبر و تقویٰ پر اسی طرح قائم رہے تو ویاتوکم من فورھم ھٰذا یمدد کم ربکم بخمسته الفٍ من الملئکتهِ مسومین اگر کفار نے ہلہ بول دیا اور تمہیں مٹانے کی کوشش کی تو ان تین ہزار کے علاوہ پانچ ہزار فرشتے اللہ کریم اور بھیج دے گا اُن کے پاس نشان زدہ گھوڑے ہوں گے اور وہ کفار کے پرخچے اڑا دیں گے وہ خصوصی فرشتے ہوں گے تم عام لوگ نہیں ہو تمہارے لئے تمہاری مدد کے لئے وہ اپنی بارگاہ سے مقربین بارگاہ کی خصوصی فوج بھیجے گا وما جعله' اللّٰهُ الا بُشریٰ لکُم ولتطمئن قلوبکُم بہٖ. وما النصرو الا من عنداللّٰه العزیز الحکیم اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اللہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہے اپنی طرف سے عطا کردہ بشارت کے باعث تمہارے دلوں کو شادکام دیکھنا چاہتا ہے تمہارے چہروں پر بشاشت دیکھنا چاہتا ہے تمہیں فاتح دیکھنا چاہتا ہے وہ فتح کی بشارت سے تمہارے کھلے ہوئے روشن چہرے پسند فرماتا ہے اللہ کریم اپنے بندوں کو رسوا نہیں کرتا اللہ اپنے بندوں کو فتحیاب دیکھنا چاہتا ہے ولتطمئن قلوبکُم بہٖ. اور فرشتوں کے نزول سے تمہارے دلوں کو مزید اطمینان نصیب ہوگا۔

دیکھیئے کیا کمال ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کا کیا مقام ہے کہ انکے بارے اللہ کا رسول ﷺ فرما رہا ہے کہ اے اللہ میں اپنے ساتھ سارے کا سارا اسلام لایا ہوں اور اللہ اپنے مقربین فرشتوں کو انکی مدد کے لئے میدان جنگ میں اُتارتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک قائم رہے گی۔ آپ ﷺ کی اُمت میں پندرہ صدیوں میں بڑے بڑے عابد و زاہد اہل علم آئمہ فقہ و حدیث اولیاء اللہ گزرے ہیں جن کی تقلید آج تک ہو رہی ہے اور ان کے فتاویٰ پرانے نہیں ہوئے یہ سب اسلام کے روشن باب ہیں یہ سب اسلام ہی کے مختلف پہلوؤں پر عمل پیرا افراد ہیں اور ایسے نیک اور پارسا لوگ قیامت تک اسلام پر عمل کرتے رہیں گے اور اعلیٰ سے اعلیٰ منازل پاتے رہیں گے تو یہ سب کچھ اسلام کے اندر ہی ہوگا گویا قیامت تک آنے والے لوگوں میں جو عظمتیں اسلام کی تقسیم ہوں گی وہ ان تین سو تیرہ صحابہؓ کو بیک وقت حاصل ہوگئیں جنہوں نے کسی مدرسے سے نہیں پڑھا کہیں چلہ نہیں لگایا ایک ہی کام کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور حضور ﷺ کا فرمان ان کی زندگی کا مشن بنا۔ سو حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں سے مراد یہ ہے کہ قیامت تک جو کمالات تقسیم ہوں گے بڑے پائے کے عالم، محدث، مفسر، فقیہہ، اولیاء اللہ آئیں گے وہ بھی اسلام ہوگا لیکن یہ تین سو تیرہ وہ افراد ہیں جو خود سارے کا سارا اسلام ہیں اور قیامت تک کے تمام مسلمان ان کے رہین منت رہیں گے ان کی اسی صفت کا ذکر سورہ توبہ آیت ۱۰۰ میں اللہ کریم نے یوں فرمایا والسبقون الاولون من المھٰجرین والانصار. مسلمانوں کا ایک طبقہ سبقت لے گیا۔ جیت گئے پہلے پہلے مسلمان جن میں مہاجرین اور انصار شامل ہیں اور دوسرے طبقے میں وہ تمام لوگ ہیں والذین اتبعوھُم باحسان. جو خلوص دل سے ان کی پیروی کریں گے اس طبقے میں قیامت تک آنے والے وہ تمام لوگ آئیں گے جو اُسی گلشن کے خوشہ چین ہوں گے انہی کے نقوش کف پا پر چلیں گے اور ان کا اتباع خلوص دل سے کریں گے تو ہی انہیں اسلام نصیب ہوگا اس لئے کہ صحابہ بدر سارے کا سارا اسلام

ہیں۔لیکن قرب الٰہی کے میدان میں ترقی نصیب ہوتی ہی رہتی ہے اوراطمینان قلب رحمت الٰہی قرب الٰہی میں ترقی کی ضرورت ہرآگے سے آگے جانے والے کی ضرورت ہے اس لئے کہ قرب الٰہی کی کوئی ایسی انتہا نہیں جہاں پہنچ کر بندہ سمجھے کہ آگے اللہ کریم سامنے آگئے ہیں اوراس سے وراء الوراء کوئی منزل نہیں۔اللہ تو ہر جگہ موجود ہے لیکن بندہ خوداتنی دور ہوجاتا ہے کہ خود کو تلاش کرنا محال ہوجاتا ہے۔ اللہ کوتلاش کرنا مشکل نہیں وہ تو قریب ہی ہے بندہ خود ہی دور چلا جاتا ہےاورواپسی کے لئے بھی عرصہ نہیں صرف لحہ چاہیے۔

ایک احساس ندامت، چند آنسو درد دل
اے خدا تجھ کو منانا کس قدر آسان ہے

تواللہ کریم کے قرب کی کوئی انتہانہیں ہے۔ہر مومن زندگی بھر ترقی کر سکتا ہےاہل اللہ ترقی کرتے رہتے ہیں اہل اللہ ہی نہیں اللہ کے نبی اور مقرب رسول بھی ترقی کرتے ہیں خود نبی کریم ﷺ کے منازل میں ہرلحہ ترقی ہوتی ہے۔آپ اس کواگر دوسرے انداز سے بھی دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں کہ جوشخص بھی نیکی کی داغ بیل ڈالتا ہے جب تک لوگ اس پرعمل کرتے رہتے ہیں اس کا ثواب اس شخص کو پہنچتا رہتا ہے۔روئے زمین پراللہ کا نام اللہ سے آشنائی اللہ کے احکام اوراللہ کا دین کس نے بتایا؟ حضور نبی کریم ﷺ نے بتایا۔ بعثت عالی سے لیکر قیامت تک جتنے لوگ سجدے کریں گے ذکر کریں گے قرب الٰہی کے مدارج پائیں گے تلاوت کریں گے تہجد پڑھیں گے اور جتنی نیکیاں کریں گے جتنا ثواب اُن سب کو ہوگا اتنا ثواب اس اکیلی ہستی کو ہوگا جس نے یہ سب کچھ سکھایا۔تواگراس حساب کتاب سے بھی دیکھیں تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپ ﷺ کے مدارج میں ہرآن کتنی ترقی ہورہی ہے اور میدان حشر میں بھی ترقی ہوتی رہے گی لوگ میدان حشر کی طوالت اور حشر سامانیوں سے تنگ آکر حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے وہ معذرت کرکے حضرت نوحؑ کے پاس بھیج دیں گے وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف بھیج دیں گے آخر حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں گے حضور ﷺ کو اس وقت نئے کلمات تعلیم فرمائے جائیں گے جن سے آپ ﷺ دعا فرمائیں گے یعنی عرصہ محشر میں بھی ہرآن آپ ﷺ کے درجات میں ترقی ہوگی۔

جنتیوں کی ترقی ہرآن جنت میں ہوگی جنت کا تو خاصہ ہی یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کوایک جگہ قرار نہیں اسکی خوشبو اسکے رنگ اور اسکی لذت میں ترقی ہوتی رہے گی جنتی جولقمہ منہ میں ڈالے گا اسکی لذت اور ہوگی اور دوسرا لقمہ جب ڈالے گا اسکی لذت اور ہوگی یعنی جنت میں ہر شئے ہرآن ترقی پذیر رہے گی صلحاء واولیاء کے منازل میں ترقی ہوتی رہے گی اوراطمینان قلب میں منازل سلوک میں اللہ کے ساتھ تعلق میں قرب الٰہی میں ہرآن ترقی ہوتی رہے گی زندگی میں عند الموت اور موت کے بعد بھی قرب کی لذات میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔اس لئے سلوک کی کوئی انتہا نہیں اولیاء اللہ کے بارے لوگ لکھ دیتے ہیں کہ انہوں نے سلوک تمام کرلیا۔یہ کہنا غلط ہے اس لئے کہ انسانوں کی نظر کی حد ہے ایک حد تک انسانی نظر دیکھتی ہے اور ایک حد تک کسی نے دیکھ کر کہہ دیا کہ وہاں تک زمین ہے تو یہ غلط ہے اس لئے کہ زمین تو اس سے آگے بھی ہے بندے کی نظر ایک حد تک دیکھ سکتی ہے۔کسی شئے کا نہ جاننا کسی چیز کے نہ ہونے کو لازم نہیں۔لہٰذا قرب الٰہی میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ ولایت ہے جو کمال اسلام ہےاور لوگوں نے شعبدہ بازی کو ولایت سمجھ لیا۔دعاؤں کی قبولیت کو ولایت سمجھ لیا ہے کہ فلاں بندے کی دعا سے بیٹا ہوگیا۔حالانکہ یہ اللہ کا کمپیوٹرائزڈ پروگرام ہے جسے کسی کی دعا کے سبب بیٹا ملا وہ اللہ کا مقرر کردہ پروگرام تھا اس کے نصیب میں تھا کسی کے بندے کی بات کو سبب بنا دیا جس طرح کوئی بچہ کمپیوٹر کے Key Board پر

اتفاقاً انگلی رکھ دے تو پہلے سے فیڈ ہوئے پروگرام میں سے ایک تصویر سامنے آجاتی ہے جو پہلے سے بنی ہوئی تھی تو یہ تو اس بچے کا کمال نہیں وہ تو کھیلتا کھیلتا وہاں پہنچ گیا اور ایک بٹن دبا دیا تو ایک تصویر بن گئی اب کیا ہم کہیں گے کہ یہ بڑا ماہر ہے۔ نہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ وہ تصویر تو کسی نے بنا کر اس میں فیڈ کر دی تھی اتفاقاً بچے کا ہاتھ اس بٹن پر جا پڑا اور تصویر سامنے آگئی میری اور آپ کی دعائیں بچے کے ہاتھ کی طرح ہیں ہماری کوئی بات قبولیت پا جائے تو یہ ہماری کرامت اور بزرگی نہیں اور نہ یہ کوئی شرط ولایت ہے کہ وہ غیب کی باتیں جانتا ہو یا فضا میں اُڑتا ہو فضا میں تو مکھی مچھر اور گدھ تک اُڑتے پھرتے ہیں اور مردار کھاتے ہیں نہ ہی پانی پر چلنا ہی ضروری ہے کہ یہ تو مینڈک بھی کر لیتا ہے سو ہر ایک کا کام ہر مخلوق کو سکھا دیا گیا ہے یہ اسکی حکمت بالغہ ہے۔ ذہنی قوتوں کو مرتکز کر کے یہاں بیٹھ کر سمندر پار لوگوں کے لوگوں بتا دینا ولایت نہیں یہ کام تو آج کی مادی مشینیں کر رہی ہیں قوت خیالیہ کو مرتکز کر کے بھاری پتھروں پر نگاہ ڈالنے سے اگر پتھر اُٹھ جاتا ہے تو کیا ہوا یہی کام کرین کر لیتی ہے۔ ایک طاقتور آدمی کر لیتا ہے۔

ذہن کی قوتوں کو مرتکز کر کے اُن سے کام لینا یہ بھی مادی فوائد ہی کے لئے ہوتا ہے۔ اکثر ذہنی طور پر ماؤف لوگوں کو از خود دور نزدیک کی باتوں کی خبر ہونے لگتی ہے اس لئے کہ دنیا کے کاموں میں مشغولیت نہیں رہتی ذہن یکسو ہو جاتا ہے مجھے اکثر لوگوں سے ملاقات کے دوران مختلف تجربے ہوتے رہتے ہیں ہمارے علاقے کا ایک شخص برطانوی فوج میں ملازمت کرتا تھا بہت عرصہ مدراس رہا ایک دن یہاں بیٹھا مسجد کے روشندان سے روشنی آرہی تھی اور وہ اس کو دیکھے جا رہا تھا میں نے پوچھا تو کہنے لگا مجھے مت چھیڑو میں اس روشنی میں مدراس کے سارے حالات دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ روشنی میں کچھ نہیں تھا ذہن ماؤف ہو جانے سے وہ اتنا یکسو ہو گیا تھا کہ مدراس کی خبریں بتا رہا تھا یہی کام ہندو جوگی بھی کرتے ہیں۔ یوگا کی مختلف ذہنی ورزشیں کرتے ہیں تا کہ ذہن یکسو ہو جائے کم کھاتے ہیں تا کہ چربی ختم ہو کم سوتے ہیں بے حد کم سوتے ہیں اور چکرا چکرا کر یکسو ہو جاتے ہیں۔ میں نے بٹیر لڑانے والوں کو بھی یہی کچھ کرتے دیکھا ہے بٹیر لڑانے سے پہلے وہ ننھے سے جانور کو کئی کئی راتیں جگائے رکھتے ہیں خود بھی جاگتے ہیں اسے بھی جگائے رکھتے ہیں تا کہ اس کی توجہ مرتکز ہو جائے تو یہ سب چیزیں کمال انسانیت نہیں ہے کمال یہ ہے کہ اُن باتوں کا پتہ چلے جو صرف نور نبوت سے ہویدا ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا فرشتے ہیں تو فرشتے نظر آئیں برزخ نظر آئے بالائے آسمان نظر آئے اس کے لئے ایمان باللہ ایمان بالرسالت چاہیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **لا تفتح لھم ابواب السماء** (الاعراف ۴۰) غیر مومن کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا تو کمال یہ ہے کہ بندہ زمین پر ہو اور عرش الٰہی کا نظارہ کر رہا ہوں بندہ مشت غبار ہو خاک نشین ہو اور نگاہ تجلیات ذاتی اور جمال باری پر ہو مزہ تو جب ہے کہ

یا قلب مدینے جا پہنچے یا دل میں مدینہ آجائے

اور یہ حقیقت صرف حضور ﷺ نے بتائی کہ دلوں کا قرار دلوں کا اطمینان کیا ہے صرف وحی الٰہی نے بتایا۔

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا اور فلسفیوں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ راز جو حضور ﷺ نے بتایا وہ راز دل پہ روشن ہو جائے اور دل کی نگاہ وہاں جا پہنچے جہاں حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا تو اسے تزکیہ وتصوف کہتے ہیں۔

اطمینان قلبی کے بارے حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی کہ بارالٰہا مجھے

ذرا دکھا دے تو مردے کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ پاک نے فرمایا اولم تومن کیا آپ کو یقین نہیں قال بلی حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی بے شک یقین ہے لیکن دل چاہتا ہے کہ دیکھوں اور میرا دل مزید قرار پکڑے ولکن لیطمئن قلبی اللہ پاک نے فرمایا پھر ایسا کریں کہ چار پرندے لے لیں انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لیں پھر جب وہ آپ سے اچھی طرح مانوس ہو جائیں تو انہیں ذبح کر کے اُن کا گوشت پوست سب ملا جلا کر اس گوشت کو دُور دور پہاڑوں پر پھینک دو ثم ادعھُن پھر ایک ایک کو بلاؤ یا تینک سیعاً دیکھنا وہ آپکی طرف بھاگتے ہوئے آ رہے ہوں گے کہیں سے ٹوٹے ہوئے پر کہیں سے گوشت کہیں سے ہڈیاں سب آ کر جڑتے جائیں گے اور پرندہ زندہ ہو جائے گا۔ تو یہ ہے اطمینان قلبی اگر قلبی اطمینان میں ترقی اولوالعزم رسولؐ کی طلب ہے وہ بھی اس میں زیادتی کے طالب ہیں تو اور کون ہے جو اسکا طالب نہیں ہوگا یہی تصوف کا حاصل ہے جب دل کو قرار آ جائے سکون آ جائے تو وہ آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے جیسے جیسے تجلیات باری میں انوارات میں چلتا جاتا ہے اتنا ہی اس کے یقین میں زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے اور اصحاب بدر کو اللہ تعالیٰ نے کیفیت اطمینان قلب فرشتوں کے نزول کے سب عطا کر دی اور بن مانگے عطا کر دی وما النصر الا من عنداللہ العزیز الحکیم اور رہی بات مدد کی تو وہ اللہ کے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ یہ کتنی سادہ اور سمجھنے کے لئے آسان ہے کہ مدد کرنا اس کا کام ہے جو خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ ایک محتاج دوسرے محتاج کی کیا مدد کرے گا۔ خانہ بدوشوں کی زندگی کو قریب سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف مانگ کر گزارہ کرتے ہیں اور اگر کسی دن کوئی گداگر بیمار ہو جائے اور گدا کرنے نہ جا سکے تو شام کو وہ فاقے سے رہ لیتے ہیں بھوک برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنے گداگر بھائی سے مانگنے نہیں جاتے اس سے پوچھیں کہ کیوں نہیں مانگتے؟ تو اُن کا جواب یہ ہوتا ہے کہ جو خود مانگنے والا ہے وہ کیوں دے گا وہ تو خود مانگتا ہے۔ اس کا کام مانگنا ہے دینا نہیں اس لئے ہم مانگنے والے کے پاس نہیں جاتے۔

اتنی تمیز تو گداگروں میں بھی ہے تو پھر ہم کیوں در در مانگتے پھرتے ہیں۔ غریب سمجھتا ہے امیر کے پاس دولت ہے وہ میری مدد کرے گا وہ امیر کے پاس جاتا ہے اور امیر خود محتاج ہے وہ غریب کا منتظر بیٹھا ہوتا ہے کہ یہ آئے گا تو اسکے کپڑے دھوئے گا دوسرے کام کرے گا اسکے جو کام رکے پڑے ہوں وہ خود اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسرا اس کے قابو آئے تو کام کروائے تو پھر مدد کیا ہے؟ کون کر سکتا ہے؟ کہاں سے ملتی ہے؟ فرمایا وما النصر الا من عنداللہ مدد اللہ کے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا صرف اللہ سے مدد مل سکتی ہے جو دے سکتا ہے جس کے اپنے خزانے ہیں اُسے کسی سے مشورہ نہیں کرنا کسی سے اجازت نہیں لینی وہ اپنی مرضی کا مالک ہے وہ واحد لاشریک ہے' غالب ہے' عزیز ہے' حکیم ہے دانا تر ہے۔

اس نے مومن کی مدد فرمائی۔ لیقطع طرفاً من الذین کفروا وہ کافروں کو ایک ایک گروہ کر کے نابود کر دے گا۔ اور یہ یوم بدر کا یوم فرقان کا ثمر ہے نتیجہ ہے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کفر نابود ہو گیا۔ قیامت تک کوئی مسلمان کفر کو قبول نہیں کر سکتا۔ کفر مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں رہا۔ مسلمان جاہل ہو سکتا ہے دھوکہ باز مولویوں' پیروں کے ہاتھوں دھوکہ کھا کر شرکیہ امور اپنا لیتا ہے شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے جاہلیت کے سبب نہیں جانتا کہ یہ کفر ہے اور جب اُسے بتا دیا جائے کہ یہ کفر ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ بندہ کتنا گناہگار ہو کیسا بھی ہو گناہ کرتا رہے گا اگر اُسے بتا دیا جائے کہ یہ کفر ہے یا شرک ہے تو فوراً ہٹ جاتا ہے کہتا ہے میں کفر نہیں کروں گا یعنی کفر کو اللہ نے مومن کیلئے ایسا کر دیا گویا ہمیشہ کے لئے مٹ گیا ختم ہو

گیا مومن کے لئے ہمیشہ کے لئے نا قابل قبول ہو گیا اور کفار ذلیل ہو گئے۔ معرکہ بدر تو تین سو تیرہ نے لڑا اور رہتی دنیا تک کے کفار ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو گئے۔ جن اقوام عالم کو آج دنیا سپر پاور سمجھتی ہے اُن کے گھریلو اور خاندانی حالات پڑھ کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر ذلیل ورسوا ہیں بظاہر بڑے مہذب ترقی یافتہ امیر ہیں لیکن خاندانی اور اخلاقی اعتبار سے کتنا گھٹیا اور کتنے تہی دامن ہیں۔تو آج کفر سے بیزاری کا جذبہ جو ہمارے دلوں میں ہے اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہمارے پاس جو اسلام ہے اسکی قیمت چکائی اُن تین سو تیرہ نے اس لئے کہ وہ تین سو تیرہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق سارے کا سارا اسلام تھے انکی پر خلوص قربانیوں نے رہتی دنیا تک کے لئے وہ دائمی اثرات چھوڑے ہیں کہ انہی کی بدولت تا قیامت مسلمان کفر سے بیزار رہیں گے۔اُن کے خلوص انکی قربانیوں کو قبول فرما کر اللہ نے کفر کو ہمیشہ کے لئے ذلیل کر دیا ہے اور ہر جاہل و گناہگار ہمیشہ کفر کو ذلالت سمجھتا ہے **فینقلبوا خائبین** ہمیشہ کی ناکامی کفر کا مقدر بنادی گئی اور تب سے اب تک وہ ہمیشہ ناکام رہا ہے، ناکام ہے اور انشاء اللہ ناکام رہے گا۔اس بات سے کوئی کسی مغالطے میں نہ پڑے کہ کفار تو مسلمانوں کے قتل کے در پے ہیں ہر جگہ مسلمان کا خون پانی کی طرح بہا رہے ہیں لیکن بندے مارنا کامیابی نہیں اور نہ ہی بندے مارنا فتح کی نشانی ہے بلکہ فتح یہی ہے کہ فاتح اپنا فلسفہ رائج کر لے اور پرانے نشانات مٹا دے۔تو کیا معرکہ بدر سے لیکر آج تک کفر کی بڑی سے بڑی طاقت ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکی ہے؟ اور آئندہ بھی انشاء اللہ ایسا نہیں کر سکے گی یوم فرقان میں حق و باطل علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا اور کفر ہمیشہ کے لئے خائب وخاسر ہو گیا جہاں جہاں مسلمان ہوں گے وہاں وہاں کفر ذلیل ہو گا۔یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان مسلمانی پر قائم رہیں۔

اس وقت روئے زمین کے حالات وواقعات اور کافر طاقتوں کے بیانات سے ایسا لگتا ہے کہ غزوۃ الہند قریب آرہا ہے اپنی تو دعا یہی ہے کہ اللہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو غزوۃ الہند کے سپاہی ہوں گے ہماری جانیں اس کے لئے قبول فرمائے لیکن اگر زندگی نے وفا نہ کی تو کم از کم ہمیں ان لوگوں میں شامل رکھے جو اس کے لئے خلوص دل سے تیار ہوں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

ہر سانس اُس کا نام لے عجزو نیاز سے

دیکھا کسی نے قیس کو جو لکھتا تھا خاک پر
پوچھا رقم کرتے ہو جو مجھ کو بھی دو خبر
کہنے لگا کہ عشق نے مجبور جو کیا
وارفتگی میں نام لیلیٰ میں نے لکھ دیا
پہنچوں مسمّی تک جو میں یارا نہیں مجھے
دل کو دلاسا دے رہا ہوں اُس کے نام سے
خارج ہے یہ محیط شعور وحواس سے
کہ اِن سے رب کی ذات کا ادراک ہو سکے
ہر آن ہم محتاج ہیں جس بے نیاز کے
ہر سانس اُس کا نام لے عجزونیاز سے
وارفتہ شُتر ہوتا ہے سنتا ہے جب حُدی
جو ہم خدا کا نام لیں طاری ہو بے خودی
دل میں اویسی کے اگر خالق سے ہے لگن
تو ذکرِ اسمِ ذات میں ہر آن ہو مگن

☆............انجینئر عبدالرزاق اویسی

اکرم التفاسیر سے اقتباس......

امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی پہلی بیانیہ تفسیر قرآن حکیم

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 11-01-2008

الحمدللّٰہ رب العٰلمین o

والصلٰوۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَاٰلہٖ

واصحابہٖ اجمعین o

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم o

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیم o

ربنآ انک من تدخل النار فقد اخزیتہ‘ ....

واللّٰہ عندہ‘ حسنُ الثواب o

(آل عمران آیات ۱۹۲ تا ۱۹۵)

اللھم سبحنک لا علملنآ الا ما علمتنا اِنکَ

انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِمْ دَائمَاً ابداً

عَلٰی حَبِیبکَ مَنْ زانت بِہٖ الْعُصُروا

ذکر قلبی اور ذکر دوام سے جو تفکر پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں تخلیق کو دیکھ کر عظمت خالق کا اندازہ ہوتا ہے اور آدمی کے شعور میں یہ بات آجاتی ہے کہ کائنات کی تخلیق وترزیق کا اتنا بڑا نظام بلانتیجہ نہیں ہے یقیناً اس کا ایک انجام ہے تو پھر وہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے آگ کے عذاب سے بچا کہ جو آگ کے عذاب میں داخل ہوا وہ ذلیل ہو گیا اور پھر یہ عرض کرتا ہے ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان o اے اللہ ہم نے اس کو سنا جو ایمان کی طرف ندا دیتا ہے اور کہتا ہے ان امنوا بربکم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ فامنا اور ہم ایمان لے آئے۔ دراصل اچھی بات اور اچھی دعوت سنائی تو ہر ایک تو دیتی ہے جیسا کہ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا ورفعنا لک ذکرک (المرشرح ۴) اے میرے حبیب ﷺ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا اور اذان میں حضور ﷺ کا نام نامی شامل ہوا تو روئے زمین پر ہر اذان میں آپ ﷺ کا مبارک نام بلند ہوتا ہے اور کیسی عجیب بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ کسی نہ کسی جگہ اذان نہ ہو رہی ہو سورج کے سفر کے ساتھ ساتھ رات اور دن کا سفر جاری رہتا ہے کہیں فجر ہے تو کہیں عصر کہیں مغرب اور کہیں عشاء اور یہ زمین پر ہر لمحے ہوتا ہے اگر ایک جگہ نماز فجر ختم ہوتی ہے تو اگلے لمحے دنیا کے کسی اور حصے پر فجر شروع ہوتی ہے یونہی یہ سفر جاری رہتا ہے تا آنکہ ظہر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی ہے ایک جگہ کا وقت ختم ہوتا ہے تو دوسری جگہ شروع ہو جاتا ہے اسی طرح عصر، مغرب اور عشاء کی اذانیں بلند ہوتی رہتی ہیں یوں دیکھا جائے تو روئے زمین پر ہر لمحہ اشھدُ ان لا الٰہ الا للہ اشھدُ ان محمد رسول اللّٰہ کا تسلسل جاری رہتا ہے تو اذان سننے کو تو ہر ایک کو سنائی دیتی ہے لیکن سننے کا مقصد کیا ہے؟ سننے سے مراد یہ ہے کہ جس نے سنا اُس نے اس پر غور کیا اگر بات اچھی ہے تو اس نے قبول کیا۔ اس طرح کسی نے سنا تو اسے سننا کہیں گے اور جس نے صرف آواز سنی اس میں جو دعوت تھی جو خلوص تھا جو درد تھا اُسے اس نے محسوس نہ کیا اس کی پرواہ نہ کی اور سنی ان سنی کر دی تو اسے سننا نہیں کہتے لہٰذا سننے کے لئے اپنے اندر کی اپنی فکر اور سوچ کی ادراک وشعور کی صفائی ضروری ہے اور ذکر قلبی اور ذکر دوام وہ صفائی عطا کرتا ہے جس کے بارے ان آیات میں بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں یا

اللہ ہم نے ایک نداسنی جو ایک منادی تیری طرف بلانے کے لئے دے رہا تھا تو ہم نے اسے قبول کیا امنـــا ہم اس پر ایمان لائے اب ہماری گزارش یہ ہے ربنا فاغفرلنا ذنوبنا اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اے اللہ تو ہی ہمارا پروردگار اور پالن ہار ہے تو ہی تو ہے جو اپنی نعمتیں عطا کر رہا ہے تو ہی تو ہے جو خطاؤں سے درگزر فرما سکتا ہے۔ تیری ہی بارگاہ عالی ہے اے اللہ ہم سے تیری اطاعت میں کوتاہیاں ہوئیں ہمارے اس گناہ کو معاف فرما تو کریم ہے ہماری غلطیوں سے درگزر فرما و کفر عنا سیاتنا ہم سے غلطیاں کرنے کا جو فعل ہے اور غلطیاں ہو جانے کا جو امکان ہے اسی کو زائل کر دیئے۔ ہماری برائیوں سے ہمیں نجات دے اور نیکی کرنے کی توفیق عطا فرما وتـوفـنـا مـع الابرار اور ہمیں اپنے نیک بندوں کے ساتھ موت دے۔

ذکر قلبی سے جو تفکر عطا ہوتا ہے اس سے انسان حقیقت پسند ہو جاتا ہے اور وہ دنیا میں رہتا ہے تو دنیا کی حقیقت سے بھی آگاہ رہتا ہے۔ دنیا بھی اچھی گزارنے کی دعا کرتا ہے اور موت بھی بہترین مانگتا ہے یہ شعور دل کے متوجہ الی اللہ ہونے کا نتیجہ ہے اور ذکر الٰہی یہ شعور دیتا ہے کہ جو چیزیں فانی ہیں انکی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی زندگی میں استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے لہذا انکی طلب و آرزو کا کیا مطلب؟ جیسے بڑا خوبصورت پھول ہو لیکن چند دن میں ختم ہو جاتا ہے تو اس کے لئے اتنے جتن کرنا کیا معنی لیکن موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کسی کو مفر نہیں ہم اپنے اردگرد اپنے ماحول میں روزانہ دیکھتے ہیں اور کتنے لوگوں کو ہم قبر میں اتارتے ہیں۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو یہ فکر کرتے ہیں کہ انہیں بھی اسی راستے سے گزرنا ہے تو فرمایا دل کا ذکر اور دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا فکر عطا کرتا ہے کہ انسان کو مرنا بھی ہے تو وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ موت عطا کر۔ ظاہر ہے موت اُن کے ساتھ ہی آئے گی جن کے ساتھ آدمی زندگی بسر کرتا ہے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ زندگی میخانے میں بسر ہو اور موت کعبے میں آئے زندگی جن لوگوں کے ساتھ بسر کرنا پسند کرتا ہوگا موت بھی ویسے ہی لوگوں کے ساتھ آئے گی۔ سیدنا عطا اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے ''لوگ زندگی تو فرعون کی جینا چاہتے ہیں اور موت موسیٰؑ کی چاہتے ہیں''

جب کسی کے خاندان میں موت واقع ہو جاتی ہے تو ختم قرآن بھی شروع ہو جاتے ہیں، دعائیں بھی شروع ہو جاتی ہیں، خیرات بھی بٹنے لگتی ہے یہ کام تو زندگی میں کرنے کے تھے یہ تو اپنے ہاتھوں سے کرنے کے کام ہیں مرنے کے بعد تو بندہ اپنی مہلت عمل کھو چکا۔ لہذا فکر و باطن کی صفائی حاصل کرنے والے لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس راستے پر ڈال دے کہ جس پر اگر موت بھی آجائے تو ہمارا ساتھ نیک لوگوں کا ساتھ ہو پاکیزہ لوگوں کا ساتھ ہو پاک کردار والے لوگوں کا ساتھ ہو۔ یہ ہے باطن کی پاکیزگی کا نتیجہ، یہ ہے ذکر الٰہی کی خصوصیت کہ آدمی کی نگاہ وسیع ہو جاتی ہے وہ وقتی مفادات اور وقتی لذات سے بالاتر ہو کر انجام کے لئے فکر مند ہو جاتا ہے اور ہمیشہ رہنے والی زندگی اسکی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اور وہ دعا کرتا ہے اے اللہ میری زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھال دے کہ جب موت آئے تو میرے اردگرد نیک لوگ ہوں مجھے نیک لوگوں کے ساتھ موت آئے درحقیقت ذکر الٰہی وہ شعور عطا کرتا ہے کہ انسان دائمی زندگی کی دائمی نعمتوں کی آرزو کرتا ہے وہ دنیا کی زندگی کی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ یہ گنتی کے چند سال ہیں اور یہ اتنے قیمتی ہیں کہ دنیا میں آبرو سے جینا اور آخرت میں نیکوں کا ساتھ نصیب ہونا اللہ کی رضا کا ملنا وہ نعمتیں ہیں جن کی تمنا کرنا چاہیئے، وہ کہتے ہیں ربنـا واتـنـا مـا وعـدتـنـا علیٰ رسلک ○ اے ہمارے پروردگار تو نے اپنے انبیاء کی زبانوں سے اپنے نیک بندوں کے ساتھ وعدے فرمائے ہیں کہ تو اُن پر اپنا کرم فرمائے گا، حشر کی پریشانیوں سے بچائے گا آخرت کے عذابوں سے محفوظ رکھے گا اور انہیں نعمتوں کے باغوں میں بہترین گھر دے گا تو یا

اللہ ہمیں ایسا بنا دے کہ ہم تیرے ان وعدوں کے اہل بن سکیں اللہ ہمیں آخرت کے عذابوں اور اس دن کی رسوائی سے بچا' ہمیں یوم حشر کی سختیوں سے بچا' اپنی رحمت کے زیر سایہ رکھ' اپنے نیک بندوں کے ساتھ موت دے' اُن کے ساتھ حشر فرما اور آخرت کے' امن کے' عزت وآبرو کے گھر میں داخل فرما ولا تخزنا یوم القیمتہ اور یوم حشر ہمیں رسوا نہ کرنا ذلیل نہ کرنا کہ حقیقتاً رسوائی وہی ہے جو تیری بارگاہ میں محرومی سے حاصل ہوتی ہے ہمیں اس رسوائی سے بچانا۔

ہر انسان ساری زندگی اپنی عزت اور ناموری کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور جہاں حکمرانوں کو عہدے داروں کو اپنی عظمت کی فکر ہوتی ہے وہاں ایک خاکروب بھی خود کو اپنی برادری میں معتبر سمجھتا ہے اور یہ بات ہر انسان کے ساتھ خواہ اس کا تعلق کسی بھی طبقے اور شعبے سے ہو ہر بندہ اپنے شعبے کے لوگوں میں خود کو معزز منوانا چاہتا ہے لیکن ذکر الٰہی یہ شعور عطا کرتا ہے کہ حقیقی عزت وہ ہے جو اللہ کی بارگاہ میں نصیب ہوتی ہے اور حقیقی رسوائی وہ ہے جو یوم حشر پیش آئے گی اور ایسے بندوں کو اللہ پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں انک لا تخلف المعیاد. اے اللہ ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ تیرے وعدے سچے ہیں اور تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ یہ ساری مصیبتیں اگر آتی ہیں تو اس کے آنے کا سبب ہمارا کردار ہے ہماری کوتاہیاں ہیں ہماری غلطیاں اور ہمارے گناہ ہیں تو ہمارے گناہ معاف فرما ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرما تو پھر اللہ کریم فرماتا ہے فاستجاب لھم اللہ اللہ انکی بات قبول فرما لیتا ہے وہ ایسا کریم ہے کہ ایک شخص جس کی ساری زندگی کفر وشرک میں گزر گئی لیکن جب اُسے اللہ کی عظمت کا ادراک ہوا اُسے توبہ نصیب ہوئی تو اسے دامان رحمت رسول ﷺ میں پناہ مل جاتی ہے۔ کوئی شخص کفر میں زندگی گزار دے جس لمحے اسکی انابت جاگ جائے گی جس لمحے وہ توبہ کر کے کلمہ طیبہ پڑھتا ہے لا الہ الا للہ محمد رسول اللہ تو ان دو جملوں میں اتنا اثر ہے کہ اسکی گذشتہ ساری زندگی کا کفر وشرک گناہ و برائیاں دھل جاتی ہیں بندہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ دھل جانے کا مطلب یہ ہے کہ میل اور داغ باقی نہ رہیں اور اگر دھونے کے بعد میل اور داغ بھی باقی ہوں تو وہ نہ دھونے کے برابر ہے۔ ہمارا آج توبہ کے ساتھ یہی رویہ ہے۔ زبان سے توبہ کہتے رہتے ہیں کردار سے برائیاں دور نہیں ہوتیں۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں تب بھی ہماری اصلاح نہیں ہوتی کیونکہ ہم قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ جیسے یہ دوسروں کے لئے ہے اتنی آیات تو کافروں کے بارے ہیں اتنی آیات مومنین کے بارے ہیں اس طرح پڑھنے سے ہم خود کو اس سے علیحدہ رکھتے ہیں کہ ہمیں پڑھ کر ثواب ہو گیا حالانکہ قرآن ایک ایک انسان سے مخاطب ہوتا ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اولاد آدم کے لئے ہے انسانیت کے ہر فرد کے لئے ہے۔ اس کا پیغام اتنا پُر اثر ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ دلی تصدیق کے ساتھ لا الہ الا للہ محمد رسول اللہ پڑھ لیتا ہے تو وہ بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے تو موروثی مسلمانوں پر تو اللہ کا بڑا احسان ہے کہ وہ صدیوں سے نسلاً درنسلاً مسلمان ہیں۔ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے اور سب سے پہلی آواز جو کانوں میں پڑی وہ اذان تھی جس گھر میں بولنا سیکھا وہاں والدین نے پہلا لفظ اللہ سکھایا اور ایک عمر نمازیں پڑھتے روزے رکھتے بیت گئی تو ہم موروثی مسلمان پاک صاف ہو گئے ہمارا کردار کھرا ہو گیا؟ کوئی ہم میں سے ایسا ہے جسے یہ اطمینان ہو کہ موت آتی ہے تو آئے وہ انشاء اللہ جنت کا راہی ہے لیکن ایسا نہیں ہے ہم سب موت سے کیوں ڈرتے ہیں؟ کیوں بھاگتے ہیں؟ جبکہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں ساری نہیں تو دن بھر میں چند نمازیں ہو ہی جاتی ہیں بہت کم لوگ ہیں جو بالکل ہی نہیں پڑھتے' روزے بھی رکھتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں ہر سال حج پر اتنے لوگ جاتے ہیں کہ مسجدوں میں توسیع جاری رہتی ہے تلاوت قرآن بھی ہوتی رہتی ہے سب کام کر

رشتہ دار بھی تھے جو ضرورتیں آج کے انسانوں کی ہیں اُن کی بھی تھیں ایک بھرپور انسانی زندگی تھی لیکن وہ کیسے لوگ تھے جب انہوں نے میرے نبی ﷺ کی دعوت قبول کی اور انہوں نے کہا کہ وہ ایمان لے آئے تو دنیا کی ہر مشکل اُن پر ٹوٹ پڑی انہیں گھر بار' جاگیریں' جائیدادیں' برادری' رشتے ناتے اور ساری دوستیاں چھوڑنی پڑیں لیکن انہوں نے کہا جو لذت رفاقت رسول اللہ ﷺ میں ہے وہ ساری کائنات بھی چھٹ جائے تو کوئی پرواہ نہیں الذین ھاجروا پھر وہ بیٹھے بٹھائے مہاجر ہوگئے واُخرجوا من دیارھم لوگوں نے انہیں انکے گھر سے نکال دیا لیکن انہوں نے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

ایک مالدار اور بہادر و طاقتور صحابیؓ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما رہے تھے کہ مشرکین مکہ نے انہیں روک لیا تا کہ وہ ہجرت نہ کرسکیں انہوں نے فرمایا تم لوگ مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں مانا ہوا شہسوار ہوں نیزہ بازی میں میرا مقابلہ کرنا دشوار ہے جرات مند ہوں طاقتور ہوں اور اس وقت اسلحے سے لیس ہوں اگر تم نے مجھ پر حملہ کرنے کی جرات کی تو خود تمہارا بہت نقصان ہوگا تمہارے بہت سے لوگ مارے جائیں گے میرے پاس نیزہ ہے میں پہلے وہ استعمال کروں گا میرے پاس تلوار ہے پھر تیر کمان ہے پہلے میں اپنا ترکش خالی کروں گا پھر تلوار کی باری آئے گی اور یاد رکھو میں فن حرب کا مانا ہوا سپاہی ہوں نہ میرے نیزے کا وار خالی جائے گا نہ تیر ضائع ہوں گے نہ میری تلوار کے وار سے کوئی بچ سکے گا اگر تم مجھے شہید کرنے کی کوشش کرو گے کہ تو اس میں تمہارے بہت سے بندے مارے جائیں گے۔ آؤ اس کے بجائے تم مجھ سے ایک سودا کرلو میں نے ساری عمر محنت کر کے سرمایہ کمایا ہے وہ میرے گھر میں محفوظ ہے میں تمہیں اس کا پتہ بتا دیتا ہوں تم میری ساری دولت لے لو اور ہجرت کے لئے میرا راستہ نہ روکو مجھے حضور ﷺ کی خدمت میں جانے دو۔ اہل مکہ نے سر جوڑ کر سوچا مشورہ کیا کہ یہ سودا گھاٹے کا نہیں اپنے بندے مروانے کے بجائے بہتر ہے اتنی دولت قبضے میں آجائے اور سودا طے ہوگیا مشرکین مکہ نے بھی اُن کا اعتبار کیا انہیں بھی پتہ تھا مسلمان جھوٹ نہیں بولتا دھوکہ نہیں د صحابیؓ نے انہیں سرمایے کا پتہ بتایا اور وہ واپس چلے گئے اور انہیں و دولت مل گئی۔ لیکن صحابیؓ کی محبت دیکھیے سب جمع پونجی لٹا دی کہ انہیں اپنے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچنا ہزار درجے زیادہ عزیز تھا یہ لذت آشنائی ذکر دوام کا نتیجہ ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اس لذت آشنائی کیلئے دنیا تو دنیا وہ آخرت سے بھی بالاتر ہوگئے و اپنے گھروں سے نکالے گئے اللہ کی راہ میں انہیں بے پناہ تکلیفیں اٹھان پڑیں لیکن وہ ثابت قدم رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آگئے تو کیا ان کی زندگی بے خطر ہوگئی؟ فرمایا نہیں وقتلوا وقتلوا انہوں نے جہاد کیے جانیں قربان کیں کفار و مشرکین کو قتل کیا ریاست اسلامی بنائی اپنے ایمان و عمل سے ایسی مثال بنے کہ قرآن انہیں مثالی مسلمان قرار دیتا ہے اور آج کے وہ لوگ جو ابلیس کے پیروکار ہیں وہ ان مثالی مسلمانوں کے بارے زبان طعن دراز کر کے اپنی ابلیسیت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں جبکہ اللہ کریم اپنے بندوں کے بارے حضور ﷺ کے صحابہؓ کے بارے خود فرماتا ہے کہ اُن سے جو خطا بھی ہوئی اُسے میں نے خود معاف کر دیا لا کفرن عنھم سیاتھم ان کی کوتاہی کو میں نے خود معاف کر دیا ولا دخلنھُم جنت تجری من تحتھا الانھٰر۔ میں انہیں اپنے اُن باغوں میں داخل کروں گا جن میں نہریں ہیں وہ میری جنت میں رہیں گے ثواباً من عند اللہ ۔ اللہ کی طرف سے اُن کے عمل کا یہی بدلہ ہے اور واللہ عندہ' حسن ُالثواب ۔ اور یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ بدلہ بہت ہی اچھا دیتا ہے۔ بندے کے تھوڑے عمل لیکن پُرخلوص عمل پر کروڑوں گنا زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔ ......☆☆☆......

سوال و جواب

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 05-08-2007

سوال۔ وہ ایسی کون سی خاص رحمت و برکت ہے جس کی طلب حضرت محمد ﷺ اور انکی اُمت کے لئے کی گئی ہے اور جس کی نشاندہی سورۃ ابراہیم میں کی گئی ہے؟

جواب۔ درود ابراہیمی یہ ہے اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمدٍ کما بارکت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجیدo

ترجمہ:- ''اے اللہ اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر بیشک تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بڑائی والا ہے۔ اے اللہ خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے''۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اس میں اُمت کو یہ دعا سکھائی جا رہی ہے کہ اے اللہ نبی کریم ﷺ پر اور انکی آل پر وہ رحمتیں و برکتیں نازل فرما جیسی کہ تو نے ابراہیم اور انکی آل پر نازل کیں۔ اس تشبیہ کو سمجھنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ حضور ﷺ کی ذات عالی واسطہ ہے سیدنا ابراہیمؑ اور ذات باری سے حصول برکات کے لئے۔ تمام انبیاء حضور ﷺ کے واسطے کے محتاج ہیں لیکن یہاں آپ ﷺ کے واسطے سے طلب کرنا خود ایک انداز طلب ہے کہ درود شریف وہ دعا ہے جو ہمیشہ مقبول ہوتی۔ یہ درود دریدرہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ہمیشہ جاری رہنے والی چیز درود شریف وہ چشمہ کرم ہے جو کبھی نہیں رُکتا یہی فرمایا گیا سورۃ احزاب میں ان اللہ وملئکته یصلون علیٰ النبی کہ اللہ کریم خود اپنے نبی پاک ﷺ پر ہمیشہ رحمت بھیجتے ہیں اور اللہ کے فرشتے بھی رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس لئے اسے درود کہا جاتا ہے یعنی ہمیشہ جاری رہنے والا عمل۔ اور حضور ﷺ کے نام نامی کو وسیلہ ظفر بنایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا نام نامی پہلے آئے گا تو دعا سنی جائے گی۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے کسی خاص برکت کا ذکر کیا گیا ہے تو سیدنا ابراہیمؑ کی بہت سی خصوصیات ہیں لیکن ایک خصوصیت سب بڑھ کر ہے جسے قرآن حکیم نے بیان کیا ہے ما کان ابراھیم یھودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلماً وہ ایک ایسے مسلمان تھے جو بالکل خالص اللہ کے لئے کھرے تھے وہ اول و آخر توحید باری کے ماننے والے تھے۔ توحید باری ہی اسلام کی بنیاد ہے کہ کس کو اللہ پر کتنا اعتماد ہے کون اپنے نفع و نقصان کو کس حد تک اللہ کی ذات سے وابستہ سمجھتا ہے کس حد تک اسباب سے اور غیر اللہ سے ڈرتا ہے یا اُن سے نفع کی اُمید رکھتا ہے۔ وہ اپنے ہر عمل اور ہر حال میں ایک اللہ کے ہو رہے ہیں۔

سوال۔ توحید کی مخالفت کس بات سے ہوتی ہے اور آدمی شرک میں کیسے مبتلا ہوتا ہے؟

جواب۔ ایک قسم کا شرک تو عیاں ہے جیسے عیسائیوں نے کہا تین خدا ہیں یا دیگر بت پرستوں نے اپنے بتوں میں الوہیت تسلیم کر لی ایک پوشیدہ شرک ہے جو شرک کی بڑی شدید قسم ہے وہ ہے جس کا اعلان نہیں کیا جاتا جو بندے کے اندر ہوتی ہے اور وہ اسے زبان پر نہیں لاتا اور وہ ہے اسباب کو موثر بالذات سمجھنا یہ یقین ہونا کہ فلاں میرا نقصان کر دے گا یا فلاں مجھے نفع پہنچا دے گا۔ اللہ کریم نے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ٹھہرایا ہے بیمار ہو کر دوا لینا ضروری ہے کاروبار کے لئے محنت و مشقت ضروری ہے ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے اسباب ظاہری اختیار کرنا لازمی ہے اور ترک سبب جائز نہیں لیکن اسباب کو موثر بالذات سمجھنا شرک ہے موثر بالذات صرف اللہ کی قدرت ہے ہر کام کے ہونے نہ ہونے میں دست قدرت کارفرما ہے اسباب تو وسیلہ ہیں اسباب اختیار کرنا تو عبادت کی طرح ہے کہ جس طرح عبادات کا نماز روزہ کا حکم دیا گیا اس لئے نماز روزہ عبادت ہے اسی طرح اسباب ظاہری اپنانا عبادت ہے کہ ایسا کرنا اللہ کا حکم پورا کرنا ہے یوں زندگی کے تمام امور عبادت بن جاتے ہیں جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے دائرے میں آجائیں۔ تو وہ لوگ جو اسباب ہی کو مقصد ٹھہرا لیتے ہیں اسباب ہی کو نفع پہنچانے والے اور نقصان سے بچانے والا سمجھنے لگتے ہیں تو یہ ہی شرک ہے اور یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے کہ بندہ بظاہر بڑا موحد ہو لیکن دل کی گہرائی میں اسے ذات باری پر اعتماد نہ ہو۔

سیدنا ابراہیمؑ مکمل طور پر ذات باری کیطرف یکسو ہو رہے تھے اور انہیں ذات باری کے ساتھ مکمل یکسوئی نصیب تھی۔ مفسرین نے حضرت ابراہیمؑ کے حالات بیان کئے ہیں کہ انہوں نے سارے بُت توڑ ڈالے اور انکی قوم جب واپس آئی اور بتوں کو شکستہ دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر پڑا ہے تو انہوں نے معلوم کیا کہ بتوں کا یہ حال کس نے کیا تو انہیں بتایا گیا کہ ایک نوجوان ہے جو بت پرستی کے خلاف باتیں کرتا ہے اور اس کا نام حضرت ابراہیم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو لایا گیا انہوں نے فرمایا سب سے بڑے بت کے پاس کلہاڑا ہے وہ سامنے کھڑا ہے اس کے پاس کلہاڑا بھی ہے اور وہ خود سالم بھی ہے اسی سے پوچھ لو اس پر وہ لوگ کہنے لگے یہ تو آپ جانتے ہیں کہ بُت تو بات نہیں کر سکتے اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا پھر حیرانی ہے تمہاری عقل پر کہ جن کے بازو ناک اور کان کٹ گئے اور وہ تمہیں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اُن کا یہ حشر کس نے کیا تو وہ تمہاری مدد کیا کریں گے؟ جو خود اپنے آپ کو تحفظ نہیں دے سکتے اپنا دکھ بیان نہیں کر سکتے یہ نہیں بتا سکتے کہ ہمارے ساتھ کس نے زیادتی کی وہ تمہارا کیا سنواریں گے؟ تو اس بات پر وہ لوگ لاجواب ہو گئے لیکن ضد اور عناد کے باعث حضرت ابراہیمؑ کو سزا دینے کی ٹھان لی تفاسیر میں اسکے بارے طویل بیان ہیں مختصر یہ کہ ایندھن جمع کر کے آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا گیا اور وہ اتنی زیادہ آگ تھی کہ اسکی حدت کے باعث قریب جانا ممکن نہ تھا اب اس آگ میں حضرت ابراہیمؑ کو ڈالنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے اس پر سوچ وبچار ہو رہی تھی کہ مفسرین کے مطابق ابلیس نے مشورہ دیا کہ دو مینار بنا کر درمیان میں ایک جھولا لٹکا دو حضرت ابراہیمؑ کو اس میں بیٹھا کر زور زور سے جھلاؤ اور جب جھولا آگ کے قریب پہنچ جائے تو جھولے کو کسی تکنیک کے ذریعے کھول دو یوں وہ آگ میں گر جائیں گے۔ اس حال کو دیکھ کر ملائکہ مقربین نے بارگاہ الوہیت میں عرض کی کہ آپ اجازت دیں تو ہم انکی یہ آگ ان ہی پر پلٹ دیں اور حضرت ابراہیمؑ کو بچالیں۔ اللہ کریم نے فرمایا جا کر میرے خلیل

حضرت ابراہیمؑ سے پوچھ لو اگر وہ یہ پیشکش قبول کر لیں تو تمہیں اجازت ہے۔ اس حال میں فرشتے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی بات عرض کی انہوں نے فرمایا کہ اللہ میری اس حالت کو دیکھ رہا ہے اور پھر فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو کیا وہ مجھے بچا نہیں سکتا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ بیشک اللہ ہر آن دیکھ رہا ہے اور ہر شے پر قادر بھی ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے فرمایا کہ میں ہوں اور میرا پروردگار ہے وہ جانتا بھی ہے اور قادر مطلق بھی ہے اگر اسے پسند ہے کہ مجھے آگ میں جھونک دیا جائے تو میں حاضر ہوں اور اگر وہ مجھے بچانا چاہتا ہے تو وہ خود بچا لے گا۔ یہ تھا اُن کا غیر متزلزل ایمان وہ پکے مسلمان اور ایک اللہ کی توحید پر کاربند تھے اُن کی اس خصوصیت کی نشاندہی کی گئی ہے درود پاک میں اور اللہ نے اُمت مسلمہ کے لئے یہ کرم فرمایا ہے کہ اسے ہر نماز کا لازمی حصہ بنا دیا ہے کہ یہ دعا ہر اس بندے کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگی جو اللہ کے حبیب ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو اور دعا حضور ﷺ کے حوالے سے پیش کی جائے کہ وہ مقبول ہو۔ ورنہ یہ بات نہیں کہ حضور ﷺ کی شان بڑھانے میں ہماری دعا کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کا نام نامی تو اس لئے آتا ہے کہ اُمت مسلمہ کی دعا کی قبولیت کا وسیلہ بن جائے آپ ﷺ کا نام مبارک تو اللہ کے حضور درخواست پیش کرنے کا بہانہ ہے کہ اس نام مبارک سے پیش کی جانے والی دعا سماعت کے لئے قبول کر لی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کا نام نامی ہوگا تو درخواست سماعت کے لئے رکھی بھی جائے گی۔ اور امید واثق ہے کہ منظور بھی حضور ﷺ کے طفیل ہو جائے۔ دراصل ہر اس بندے کو جو دامان محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہے اسے وہ عقیدہ توحید اور اس کا پرتو چاہیے اس لئے اللہ کریم نے یہ دعا سکھائی ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ اسے نماز میں بھی پڑھو اور کثرت سے پڑھتے رہو۔ یہ بندے کے لئے ہر حال میں بہت بڑی نعمت ہے ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو قدم قدم پر درود شریف ہی پڑھا کرتے ہیں ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو بیت اللہ کے طواف میں درود پڑھتے ہیں یہ اپنی اپنی محبت کی بات ہے۔ تسبیحات مسنون تو ہیں فرض نہیں اور درود شریف خود تسبیح بھی ہے اور دعا بھی ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بیک وقت رابطہ بھی ہے اور کثرت درود شریف بے شمار دنیاوی بیماریوں کا علاج بھی ہے یہ عقیدے اور ایمان کی پختگی کا سب سے بڑا سبب بھی ہے اور کسی پر انقباض آ جائے کیفیات میں کمی آ جائے تو اس کا حل بھی درود شریف ہے۔ قرآن حکیم میں اور بھی دعائیں اللہ نے سکھائی ہیں سورۃ فاتحہ عظیم دعا ہے سورۃ بقرہ کی آخری آیت بڑی مقبول دعا ہے اور دوسری دعائیں بھی اللہ نے قرآن میں خود سکھائی ہیں۔ لیکن درود شریف اپنی مثال آپ ہے۔

سوال۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ وہ رکاب میں پاؤں رکھنے سے سوار ہونے تک سوا لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھ لیتے تھے یہ کیونکر ممکن ہے؟

جواب۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بزرگان دین سے بہت سے ایسے اقوال منسوب کر دیئے جاتے ہیں جو حقیقتاً انہوں نے نہیں فرمائے اور فضائل اعمال میں غیر مصدقہ اقوال بھی قبول کر لئے جاتے ہیں کہ جیسا کہ یہاں آخر حضرت علیؓ کی فضیلت ہی تو بیان ہو رہی ہے۔ سو قطع نظر اس کے کہ کیا یہ قول حضرت علیؓ کا ہے یا نہیں جسمانی طور پر زبان میں اتنی سکت نہیں کہ اتنے کم عرصے میں اتنی تعداد میں پڑھ سکے۔ لیکن روحانی طور پر ایسا ہونا ممکن ہے جو کیفیات ایمانی صحابہ کرامؓ کو خصوصاً خلفائے راشدین کو نصیب ہوئیں وہ اپنی مثال آپ ہیں اور حضرت علیؓ کے طفیل اُمت کو تقسیم ہوتی آ رہی ہیں وہ انہی کے ساتھ خصوص ہیں۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ ایمان کی جو کیفیت نبی کریم ﷺ کے

قلب اطہر سے آتی ہے وہ بدن کے ایک ایک ذرے کو ذاکر کر دیتی ہے جب وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے تو کوئی شخص ذرے گن نہیں سکتا اگر کسی کے ہر ذرہ بدن کو درود شریف پڑھنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو کون گن سکتا ہے کہ اس شخص نے کتنی بار درود شریف پڑھا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے مشہور ولی اللہ کے بارے ذکر کیا کہ وہ ایک سانس میں پانچ سو بار اللہ اللہ کہتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ تو میں نے یہی جواب دیا تھا کہ یہاں بات سانس میں کہنے کی نہیں یہ بات کیفیت کی ہے یہاں گنتی ختم ہو جاتی ہے اس لئے کہ ایک لمحے میں جب وجود کے سارے ذرات نے جب اللہ اللہ کہا تو کون گن سکتا ہے کہ اس نے کتنی دفعہ اللہ اللہ کہا۔

ایک ولی اللہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کیا اُمید رکھتے ہیں کہ یوم حشر آپ کے ساتھ کیا ہوگا کہنے لگے یہ تو مجھے نہیں پتہ یہ تو صرف اللہ کریم ہی جانتے ہیں لیکن میرا اپنا دل یہ چاہتا ہے کہ اللہ مجھے جہنم کے نچلے خانے میں بھیج دے اور میں ایک مرتبہ اللہ کہوں میں اس طرح اس کا ذکر کروں اس طرح اللہ اللہ کہوں کہ خود جہنم ہی فنا ہو جائے اور بنی آدم کے سر سے یہ مصیبت ٹل ہی جائے۔ یہ تو اپنی اپنی توقعات ہیں، کس شخص کو اللہ کے نام سے کتنی امید وابستہ ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ پل صراط کے نیچے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو جل جل کر سیاہ ہو چکی ہے اس قدر سخت آگ پر سے بھی اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی گزریں گے کہ جہنم پکارے گی بار الٰہا انہیں جلدی یہاں سے گزار ورنہ میری آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ تو بزرگان دین کے ارشادات کیفیات سے متعلق ہوتے ہیں اور ظاہری گنتی کی گرفت میں نہیں آتے اللہ کریم جنہیں کیفیات دیتا ہے ان کے وجود کے ذرے ذرے کو ذاکر کر دیتا ہے یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں مانگنے کی چیز ہے طلب صادق کے ساتھ نیک صحبت کی رہین منت ہے سانس تو ایک مرتبہ ہی آتا ہے دھڑکن بھی ایک ہی ہوتی ہے لیکن درود شریف کے انوارات ہر ذرہ بدن سے ادا ہوتے ہیں ہر ذرہ بدن جب ذاکر ہو تو ایسا ہو سکتا ہے یہ چیزیں کیفی ہیں کیفیات نہ بتائی جاسکتی ہیں نہ سنی جا سکتی ہیں نہ لکھی اور پڑھی جاسکتی ہے۔ کیفیت کے لئے کوئی لفظ وضع ہی نہیں ہوا۔ کیفیات صرف محسوس کی جاسکتی ہیں یا پائی جاسکتی ہیں یا کھوئی جاسکتی ہیں لکھی پڑھی یا بیان نہیں کی جاسکتیں۔

سوال۔ کسی نے ایک جگہ بیعت کی اس کے بعد دوسری جگہ بیعت کی پھر واپس پہلی جگہ آگیا تو کیا اُسے دوبارہ بیعت کرنے کی ضرورت ہوگی اور اگر ہے تو کیا مراقبات دوبارہ شروع ہوں گے یا پہلے والے قائم رہیں گے؟۔

جواب۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سمجھا جائے کہ بیعت ہوتی کیا ہے؟ شرعاً بیعت اس عہد کو کہتے ہیں جو اتباع رسالت ﷺ کے لئے، دین سیکھنے کے لئے کسی عالم سے کیا جاتا ہے اور یہ ایک مسنون عمل ہے۔ بیعت کی کئی اقسام ہیں اول بیعت اصلاح یہ بیعت اس شخص سے کی جاسکتی ہے جو روزمرہ کے مسائل شرعی جانتا ہو اس میں اتنی علمی اہلیت ہو کہ وہ حلال حرام پاک و ناپاک جائز ناجائز بتا سکے۔ دوئم بیعت امارت یہ حکمران کے انتخاب کے بعد اسے حکمران تسلیم کرنے کے لئے ہوتی تھی یہ عہد نبوی ﷺ سے لیکر خلفائے راشدین کے بعد کے عہد تک ہوتی رہی آج اس کی شکل ووٹ کا استعمال ہے اپنا حق رائے دہی استعمال کرنا ہی آج کی بیعت امارت ہے۔ تیسری ہے موت پر بیعت یہ بھی مسنون ہے آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستے میں مشرکین کے روکنے کے بعد لی تھی اس کا مطلب تھا

کہ کوئی ایک بندہ بھی پلٹے گا نہیں بلکہ موت قبول کرلے گا واپسی کا نہیں سوچے گا۔ چوتھی قسم ہے بیعت طریقت۔ یہ حصول برکات کے لئے ہوتی ہے تحصیل تزکیہ کے لئے ہوتی ہے اس میں ایک استاد کے بعد دوسرے استاد سے بیعت اس لئے ہو سکتے ہیں کہ پہلے استاد نے کچھ اسباق سکھا دیے اب اگلے سبق لینے کے لئے اگر دوسرے استاد کے پاس جانا پڑے تو جا سکتے ہیں اور جانا چاہیے تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ اگر کسی نے ایک استاد سے لطائف سیکھے اور اس سے آگے استاد نہیں چلا سکتا تو شاگرد نے کسی ایسے استاد سے بیعت کر لی جو اسے اگلے اسباق میں چلائے تو اسکی پہلی کی گئی بیعت نہ تو ٹوٹے گی اور نہ ہی احترام ختم ہوگا یہ ایسے ہے جیسے پہلے بچے پرائمری میں پڑھتے ہیں پھر مڈل پھر ہائی سکول پھر کالج اور یونیورسٹی تو شاگرد کا اپنے پرائمری کے استاد کے ساتھ ادب واحترام بھی باقی رہتا ہے اور وہ اس کا ہمیشہ کے لئے استاد ہی رہتا ہے یعنی اس کی وہ بیعت قائم رہتی ہے۔ بیعت تصوف میں پہلے استاد کی برکات بھی ساتھ رہتی ہیں اور احترام بھی رہتا ہے استاد ہمیشہ استاد ہی رہتا ہے خواہ شاگرد کتنی ہی ترقی کر جائے طالب علم بڑا ہو کر بادشاہ بن جائے لیکن اس کے لئے اس کا استاد ہمیشہ احترام کا حامل رہتا ہے۔

ہر قسم کی بیعت کرنے سے پہلے بیعت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مطلوبہ اوصاف کو اس شخص میں دیکھ لے جس سے بیعت ہونے جا رہا ہو مثلاً بیعت امارت میں ووٹ دینے سے پہلے دیکھے کہ جسے ووٹ دے رہا ہے وہ درست آدمی ہے اگر بغیر تحقیق کئے ووٹ دے دیا تو بعد میں بھگتنا پڑتا ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ ووٹ ہمیشہ دنیاوی مفادات کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ شخص ہمارے پولیس چوکی تھانے میں کام آ سکتا ہے تو ٹھیک ہے خواہ کردار کا کتنا ہی بُرا ہو۔ اسی لئے جو شریف نیک لوگ امارت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں انہیں کوئی ووٹ نہیں دیتا اور اسکی وجہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے کہ نیک لوگ شریف لوگ پولیس سے نمٹنے میں ہماری کیا مدد کر سکیں گے۔ پرویز مشرف کی کابینہ میں اور حکومتی اداروں میں اس لئے ایسے مفاد پرست لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور اب جبکہ حکومت اور اقتدار منتقل ہونے کو ہے یہی لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے اپنے مفادات کے ہدف پورے کرنے کے لئے پیپلز پارٹی مسلم لیگ کے دھڑوں میں شامل ہو رہے ہیں تا کہ جس کے سر پر بھی اقتدار کا ھما بیٹھے وہ اسی میں شامل ہو جائیں۔ ہمارا موضوع تصوف کے حصول کیلئے بیعت ہے۔ یہ نہایت نازک معاملہ ہے اس لئے کہ یہ بیعت برکات نبوت کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔ یہ معاملہ حضور ﷺ کی برکات کو بذریعہ شیخ اخذ کرنے کا ہے۔ جہاں معاملہ حضور ﷺ کے قلب کے انوارات کو حاصل کرنے کا ہو وہاں انتہائے کمال ادب چاہیے۔ تصوف وسلوک کا رشتہ بہت نازک ہے اس لئے کہ برکات نبوت کا مصدر نبی کریم ﷺ کا سینہ اطہر ہے یہ برکات وکیفیات حضور ﷺ سے مشائخ کے سینے میں آ جاتی ہیں اور وہاں سے سالک کو نصیب ہوتی ہیں اس لئے سالک کے دل کا تعلق شیخ سے جتنا مضبوط ہوا اتنی ہی قوت سے ترسیل برکات ہوتی ہے۔ شیخ چونکہ برکات نبوت کا امین ہوتا ہے لہذا اس کیلئے انہی آداب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو برکات نبوت کے شایان شان ہوں۔

قرآن حکیم میں برکات صحبت پانے والوں کی بیعت کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکثُ علیٰ نفسہٖ ومن اوفیٰ عھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجراً عظیماً (الفتح آیت ۱۰)

"میرے حبیب ﷺ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ کریم سے عہد کا پیمان باندھا اُس کے ہاتھوں پر اللہ کا دست قدرت ہے اور اگر یہ بیعت کرنے کے بعد کوئی اسے توڑتا ہے تو اس نے گویا اپنے آپ کو توڑ پھوڑ لیا اسکی حیثیت ختم ہوگئی اور جس نے اپنے وعدے سے وفا کی جو اس نے عہد کی صورت میں اللہ سے کیا تھا تو اللہ اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا"۔

بیعت تصوف سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کرنا چاہیے کہ جن سے بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ دین کو جانتے بھی ہیں دین پر عمل پیرا بھی ہیں ان کے پاس بیٹھنے والوں کی زندگی سے پتہ چل سکتا ہے کہ بیعت سے پہلے کی زندگی کیسی تھی بیعت کے بعد کی زندگی کیسی ہے عقائد واعمال میں کتنی اصلاح ہوئی ہے حضور حق کا کتنا شعور نصیب ہوا ہے اور اگر پہلے سے بیعت ہونے والوں کی اصلاح ہوئی ہے تو ضرور بیعت ہو جائے اور جب بیعت ہو جائے تو پھر تحقیق میں نہ پڑے پھر تحقیق جائز نہیں اب صرف اعتماد اور اعمال صالح کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کردے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بیعت ہونے سے پہلے اچھی طرح تحقیق وجستجو کر کے اطمینان حاصل کرلو اور بیعت ہونے کے بعد فرمانبرداری اور اتباع رسالت میں پوری تندہی سے لگ جاؤ۔ راولپنڈی کے ایک نہایت اچھے عالم تھے حافظ ریاض اشرف صاحب جنگ اخبار میں دینی سوالات کے جوابات بھی دیا کرتے تھے خوبصورت اور خوب سیرت شخصیت تھے اور اچھے ادیب بھی تھے وہ کہیں بھی بیعت نہیں تھے اور کہیں بیعت ہونے کا ارادہ بھی نہیں تھا حضرتؒ کی شہرت سنی تو علمی تشفی کے لئے حاضر خدمت ہوئے بات چیت کا سلسلہ بڑھا انہوں نے چند علمی سوالات پیش کئے جب حضرتؒ نے جواب دیے تو مبہوت رہ گئے کہ ساری زندگی انکی علماء کے ساتھ گزری انہی کتب کو پڑھ کر عالم بنے علم بانٹتے عمر گزر گئی اور حضرتؒ بھی انہی کتب کے حوالے سے جواب دے رہے تھے تو جس طرح اس وقت بات سمجھ آئی ویسی کبھی پہلے نہ آئی تھی حضرتؒ کے قائل ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ بیعت کرلیں حضرتؒ نے فرمایا مولانا آپ کے پاس جو سوال ابھی باقی ہیں وہ کرڈالیے اور مزید سوالات کرنے ہوں تو واپس تشریف لے جایئے پھر آیئے اس لئے کہ جب آپ بیعت ہو جائیں گے تو پھر آپ کو سوال کرنے کی اجازت نہ ہوگی لہذا بیعت ہونے سے پہلے پہلے تحقیق کرلیں انہوں نے کہا کہ حضرت جو تحقیق ہونی تھی وہ ہو چکی ہے مجھے سمجھ آ گئی آپ مجھے بیعت فرمالیں۔

بیعت تصوف میں معاملہ کیفی ہوتا ہے برکات نبوت ﷺ کی ترسیل شیخ کے قلب کے ذریعے ہوتی ہے اس لئے جو شخص بیعت تصوف کو توڑتا ہے اور کچھ عرصے بعد اسے سمجھ آتی ہے کہ اس نے غلطی کی تو ایسی صورت حال میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جو بیعت کو توڑتا ہے اول تو اسے واپس آنا ہی نصیب نہیں ہوتا اور اگر شیخ ہی برکات کو واپس لے لے تو دل سے جب کیفیات سلب ہوتی ہیں تو ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے اسی لئے صاحب سلسلہ شیخ بڑی سے بڑی گستاخی پر بھی اسکے مقامات سلب نہیں کرتا۔ بندہ از خود چھوڑتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ کیفیات رخصت ہو جاتی ہیں اور از خود ختم ہو جاتی ہیں اگر شیخ سلب کرلے تو ایک آن میں سلب ہو جاتی ہیں اور چونکہ یہ معاملہ کیفی ہے تو دل سے کیفیات کے سلب ہو جانے سے پہلے ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے کہ ایمان بھی قلب کی ایک کیفیت ہے ایسا بندہ پھر مرتد ہو جاتا ہے اس لئے مشائخ تب تک سلب نہیں کرتے جب تک وہ بندہ مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کا خطرہ نہ بن جائے۔ حضرتؒ کے زمانے میں ہمارے

سامنے کئی واقعات ہوئے۔ ایک ساتھی بڑا صاحب کشف تھا اس نے اپنی بڑائی کے زعم میں حضرتؒ کو خط لکھا کہ وہ جس درخت کے پاس سے گزرتا ہے یا پتھروں کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ شجرو حجر اسے السلام علیک یاغوث کہتے ہیں حضرتؒ نے اُسے متنبہ کیا کہ ان پتھروں درختوں کے پیچھے ابلیس یہ بات کہتا ہے اور وہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے وہ اس وقت چھٹے عرش میں مراقبات کررہا تھا اُس نے کہا وہ چھٹے عرش میں سفر کررہا ہے اور اس پر اللہ کی رحمت سے شیطان آسانی سے اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ حضرتؒ نے فرمایا یہ سفر اللہ کی رحمت ہے اور کسی اور کا کمال ہے اس پر فخر نہ کرو توبہ کرو اسے ذاتی کمال نہ سمجھو یہ ابلیس کا فریب ہے اس نے پھر لکھا کہ رحمت الٰہی کا دروازہ جب کھلتا ہے تو کوئی بندہ اسے بند نہیں کرسکتا۔ حضرتؒ نے اسے لکھا کہ اب یہ دروازہ بند نہیں ہوگا یہ ٹوٹ جائے گا۔ اور چور چور ہو جائے گا اور تمہیں زندگی بھر اس کا نشان نہیں ملے گا پھر وہ چلا گیا۔ سال ڈیڑھ سال بعد آ گیا کپڑوں کا ایک نفیس جوڑا اٹھائے ہوا تھا اور کہنے لگا حضرت میں سرحد بلوچستان سندھ تک سب خانقاہیں پھر چکا ہوں سارے علماء کے پاس سے ہو کر آیا ہوں کوئی لطائف بھی نہیں جانتا تو مجھے آپ قبول فرمالیں آپ کی عادت مبارکہ تھی آپ منع نہیں کرتے تھے فرمایا بیٹھو ذکر کرتے رہو لیکن اس دن کے بعد پھر اسے حضرتؒ کے پاس نہیں دیکھا گیا پھر کسی سے پتہ چلا کہ وہ تو پاگل ہو گیا ہر شجرو حجر کو خدا کہتا تھا وہ دروازہ کیا ٹوٹا کیفیت ایمان کو بھی ساتھ لے گیا۔

جو لوگ سمجھنے کے لئے سوال کرتے ہیں یا اشکال پیدا ہوتا ہے انکی مثال مفتی غلام صمدانی ہیں وہ اچھے عالم بزرگ اور مفتی تھے وہ بھی تصوف کے قائل نہیں تھے حضرتؒ کی شہرت سنی آ کے ملے بیٹھے تو متاثر ہوئے اور بیعت ہو گئے پھر فنا فی الرسول ہوئے روحانی بیعت نصیب ہوئی تو روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کون کہتا ہے ایسا نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھے حضرتؒ سے سوال پوچھ لیا کہ حضرت آپ عالم امر میں چلا دیتے ہیں اور بندہ چلتا رہتا ہے اور وہ جہاں بھی ہو اسے برکات ملتی رہتی ہیں تو کیا پھر آپ اسے روک بھی سکتے ہیں؟ یہ سوال مودبانہ تھا محض سمجھنے کی نیت سے تھا تو حضرتؒ نے مسکرا کر جواب دیا کہ آپ جس جگہ کھڑے ہیں وہاں آپ کے سامنے کیا کوئی چیز ہے؟ کہنے لگے جی ہاں ایک میز جیسی چیز ہے فرمایا اسے پکڑ لو اور کھڑے رہو۔ انہوں نے کہا جی پکڑ لیا۔ یوں بات آئی گئی ہو گئی۔ ہم سب واپس آ گئے سال گزر گیا مزید عرصہ گزر گیا پھر اجتماع میں حاضر ہوئے اور ڈرتے ڈرتے عرض کی کہ حضرت وہ میز تو مجھ سے چھڑا دیں حضرتؒ نے پوچھا آپ کو آپ کے سوال کا جواب مل گیا۔ بندہ کہیں بھی چلا جائے بندہ تو شیخ کے ایک اشارے پر ہوتا ہے اسکی کیفیات قلبی پر ہوتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں تکبر آ جائے تو ساری منازل یکدم گر جاتی ہیں تو جو بندہ بیعت توڑ کر چلا جاتا ہے تو میرے خیال میں سوائے اس کے کہ کوئی نادانستگی میں ایسا کر بیٹھے اور اللہ اسکی توبہ قبول کر لے ورنہ عموماً ایسے لوگوں کو توبہ نصیب نہیں ہوتی وہ لوگ واپس آتے ہی نہیں اور جو لوگ دنیاوی مفادات کے حریص ہو کر لالچ میں آ کر بددیانتی سے ایسا کرتے ہیں انہیں توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی وہ ہمیشہ کے لئے چلے جاتے ہیں۔

جو بیوقوفی سے چلے جاتے ہیں اور پھر جا کر احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ اچھا کام نہیں کیا تو باقی انکے پاس بھی کچھ نہیں بچتا۔ جب واپس آتے ہیں تو کورے ہوتے ہیں بلکہ کورے لوگوں سے بھی بہت پیچھے انکے مراقبات کہاں بچیں گے ان کے پاس تو کیفیات بھی نہیں بچتیں

بلکہ کیفیات حاصل کرنے کی استعداد ہی مجروح ہو جاتی ہے۔ خال خال ہی کوئی واپس آتا ہے پھر اتنا ثابت قدم بھی ہو کہ خلوص سے جم جائے الا ماشاء اللہ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور اس دوران جو ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی ہے جو نقصان ہو جاتا ہے اس کی مرمت اور بحالی کر کے پھر الف ب سے شروع کرنا پڑتا ہے کیونکہ جو بھی بیعت توڑتا ہے اس کے بارے قرآن کہتا ہے جس نے بیعت کو توڑا اس نے اپنا کچھ باقی نہیں چھوڑا خود کو بکھیر لیا۔ تنکا تنکا کر لیا۔ ایک عمارت کی اگر ایک ایک اینٹ الگ کر دی جائے تو کیا وہ خود بخود ویسی بن جائے گی۔ نہیں، پھر سے محنت کرنا پڑے گی اور نئی اینٹیں لگا کر نئی دیوار بنانا آسان ہے لیکن ٹوٹی ہوئی دیوار پر اینٹیں لگانا مشکل اور محنت طلب کام ہے اس کے باوجود وہ پہلے جیسی نہیں بنے گی بھدی اور ٹیڑھی میڑھی ہو گی کسی کے ساتھ سیمنٹ ہو گا کسی جگہ سے اونچی اور کسی جگہ سے نیچی ہو گی۔ اس لئے بیعت ہونے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے اور درست جگہ بیعت ہونے کے بعد بات بندے کے اختیار سے نکل جاتی ہے اب اس کے ذمے صرف جاں سپاری رہ جاتی ہے۔ حضرتؒ اسی ضمن میں ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ کوئی شخص حکومت سے بھاگ کر کہیں روپوش ہو گیا اور اللہ والوں کا بہروپ بھر کر بیٹھ گیا کچھ لطائف ومراقبات کے نام اس نے کہیں سے سن رکھے تھے اسے ان باتوں کا علم تو نہیں تھا بس بہروپ دھار کر اللہ اللہ کرتا رہا آنے والوں کو لطائف ومراقبات سکھاتا رہا۔ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ جن کو وہ بتاتا رہا انہیں اللہ نے کیفیات ومشاہدات عطا کر دیئے وہ ایک دوسرے کے مقامات سے آگاہ تھے لیکن اپنے شیخ کے بارے کچھ نہ جانتے تھے ایک دن حضرت سے پوچھ ہی لیا تو اس شخص نے صاف صاف بتا دیا کہ وہ تو بہروپیا ہے یہ تو اللہ کی عطا ہے کہ اس نے اُن لوگوں کے خلوص پر اپنی عطا کا پھل لگا دیا یوں وہ اپنے آپ پر بہت رویا ساتھیوں نے بھی رو کر اللہ سے عاجزی کی کہ بار الٰہا اس کے بتانے سے تو نے ہمیں کیفیات ومراقبات عطا کر دیئے اب اپنی رحمت سے اس شخص کو سچا شیخ بنا دے حضرت فرماتے تھے کہ انکی دعا سے اسے بھی مراقبات نصیب ہو گئے یعنی یہ رشتہ ہی للّٰہیت اور خلوص کا ہے بہت مضبوط ہے کہ بندے کو جکڑ کر رکھ دیتا ہے اور اتنا نازک ہے کہ ایک ذرا سی بدگمانی سے پاش پاش ہو جائے۔ یہ جتنا مضبوط ہے اتنا نازک بھی ہے مضبوط اتنا ہے کہ بندے کی ہر حرکت وسکون قید ہو جاتی ہے بندہ امور دنیا میں بھی اسیر ہو جاتا ہے اگر واقعی بیعت کی ہو تو امور دنیا کرتے ہوئے بھی اسے خیال رہتا ہے کہ اس کا یہ عمل کہیں شیخ کو ناگوار نہ گزرے۔

اللہ کی رحمت تو بہت وسیع ہے نبی کریم ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں اور شیخ تو ہمارے عہد کا آدمی ہے زود رنج ہو گا پتہ نہیں معمولی سی بات پہ خفا نہ ہو جائے اگر خفا ہو گیا تو بچے گا کیا یہ اتنا نازک رشتہ ہے کہ ذرا سا تکدر شیخ کے دل میں آیا تو بنی بنائی ساری عمارت مٹی کا ایک ڈھیر بن جائے گی اور مضبوط اتنا ہے کہ ذاتی اور خاندانی امور میں بھی بندہ قیدی کی طرح زندگی گزارتا ہے کہ یہ کروں اور یہ نہ کروں۔

بیعت توڑ کر چلے جانا اپنی طرف سے ایک انتہائی اقدام ہے اللہ کی مرضی کسی کو توبہ کی توفیق نصیب کر دے بڑی بات ہے لیکن ایسا ہوتا بہت کم ہے اگر کسی کو واپسی نصیب ہو جائے تو وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے ہدایت اسی کو نصیب ہوتی ہے جو کسی ناسمجھی کی وجہ سے چلا گیا ہو یا سستی کی وجہ سے رہ گیا ہو لیکن اس کے دل میں اعتراض نہیں ہوتا۔ سو بیعت ہونے سے پہلے سوچ لینا چاہیے اور ہونے کے بعد سوچنا نہیں چاہیے صرف اطاعت کرنا چاہیے۔

☆☆☆

دنیوی زندگی محدود ہے لیکن سزا و جزا لامحدود

"بعض لوگوں نے یہ سوال بھی کیئے اور آج نہیں بڑے عرصے سے ہو رہے ہیں کہ انسان نافرمانی تو اپنی دنیاوی زندگی میں کرتا ہے سو سال ہو یا دو ہزار سال چونکہ انسانی حیات ہزاروں سالوں میں بھی پائی گئی ہے۔ ایسا زمانہ بھی تھا کہ زندگیاں ہزاروں برس تھیں۔ بہر حال انسان کی زندگی ایک محدود مدت ہے جس میں وہ نافرمانی کرتا ہے لیکن اگر وہ کفر پر مرا ہے تو اس کی سزا لامحدود وقت کے لئے ہے ہمیشہ کے لئے ہے' اگر اس نے دو ہزار سال نافرمانی کی' دو سو سال نافرمانی کی تو آپ اسے پانچ سو سال سزا دے دیں۔ قران حکیم نے اس بات کا بھی جواب دیا ہے کہ یہ تو اللہ کی مرضی کہ اس نے دنیا کی زندگی مختصر کر دی لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جب غلط راستہ اختیار کیا تو اگر انہیں ابدالآباد بھی دنیا میں رہنا نصیب ہوتا تو یہ ابدالآباد بھی اس تاریکی میں غرق ہوتے چلے جاتے۔ آگے ہی چلتے جاتے۔ آزمائش تو اس بات کی تھی کہ کہیں کوئی رکتا بھی ہے' کہیں کوئی واپس آتا ہے' کہیں کوئی رجوع الی اللہ کرتا ہے اور اس کے لئے اللہ کریم مختلف اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں"۔

ماخوذ از "اکرم التفاسیر"

تعاون

احمد دین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پُل کوریاں' سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-2667571

غزوہ ہند کے مجاہد سے وقت کے مسیحا تک (2)

ضمیر حیدر

جدید طرز کے خوشنما ٹیبل کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر بیٹھے باریش شخص کو دیکھ کر متاثر ہی نہیں مرعوب بھی ہونا پڑا۔ دراز قامت' بھاری بھر کم وجود' دمکتا ہوا چہرہ' عینک کے عقب سے چمکتی ہوئی روشن آنکھیں' کرنڈی کے سوٹ پر دیدہ زیب واسکٹ' مجموعی طور پر وہ مردانہ وجاہت کے پیکر تھے ظاہری شخصیت سے عمر کا صحیح اندازہ مشکل تھا لیکن بہر حال بڑھاپے کی حدود شروع ہو چکی تھیں حق یہ ہے کہ اتنی متاثر کن' بارعب شخصیت اور اس قدر باوقار بڑھاپا اس سے پہلے دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور سلام کا جواب دیا میں نے مصافحہ کیا اور سامنے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں بہت سی چارپائیاں موجود تھیں جن پر خوبصورت چادریں بچھی تھیں کچھ دیہاتی کسان ان چارپائیوں پر بیٹھے حقہ گڑ گڑا رہے تھے حضرت جی کے سامنے میز پر خطوط کا انبار لگا تھا وہ خط اٹھاتے' چاقو کے ساتھ بڑے سلیقے سے کھولتے' پڑھتے اور پھاڑ کر قریب رکھی ٹوکری میں پھینک دیتے' کچھ خطوط کا مختصر جواب بھی تحریر کرتے۔ ڈاک دیکھنے اور جواب لکھنے کے ساتھ ساتھ وہ دیہاتی کسانوں کی طرف بھی پوری طرح متوجہ تھے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ محفل کی جان تھے۔ کمال بذلہ سنج' کسانوں کے ذوق' مزاج اور ذہنی سطح کے مطابق پر مزاح مگر معنی خیز گفتگو اور زندگی سے بھرپور قہقے۔ ایک شخص کمرے میں داخل ہوا اور خاموشی کے ساتھ چائے کا کپ میری طرف بڑھا دیا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ جس شخص کا بڑھاپا اتنا دلکش ہے اُس کی جوانی کتنی شاندار رہی ہوگی۔

اتنے میں کچھ اور لوگ وارد ہوئے اور وسیع کمرے کھچا کھچ بھر گیا چائے سپلائی کرنے والے شخص نے کافی کا مگ حضرت جی کے سامنے رکھا تو وہ خطوط کے ڈھیر کو نمٹا چکے تھے انہوں نے مگ اٹھایا کافی کی چسکی لی اور قریب رکھے اخبارات کا بنڈل اٹھا لیا۔ اُس دن کے تمام بڑے اخبار اُن کی میز پر تھے وہ باری باری اخبارات کا جائزہ لے رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ خبروں پر تبصرہ بھی کرتے جاتے۔ اُن کے تبصرے بڑے جاندار تھے اور یہ ظاہر کر رہے تھے کہ حالات حاضرہ' امور سیاست اور بین الاقوامی صورت حال پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ کسانوں کے ساتھ گپ شپ بھی متواتر جاری تھی اس دوران ٹیلی فون بھی بج رہا تھا اور یہ جان کر حیرت ہوئی کہ مختلف ممالک سے لوگ فون کر کے اپنے ذاتی مسائل پر مشورے لے رہے تھے۔

دیہاتی رخصت ہوئے تو حضرت جی میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا ''فرمایئے' کیسے آنا ہوا۔'' میں نے گزارش کی ''صحافت سے تعلق ہے۔ تلاش حق کے لئے سرگرداں ہوں' معلوم ہوا ہے کہ آپ کو بارگاہ رسالت ﷺ تک رسائی نصیب ہے''۔ انہوں نے مختصر جواب دیا ''الحمدللہ' اللہ کا احسان ہے'' میں نے فوراً سوال کیا ''ڈنمارک کے ایک بدبخت اخبار نویس نے گستاخانہ خاکے شائع کر کے ملت اسلامیہ کی غیرت کو للکارا ہے' ہر طرف احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں' آپ کو چونکہ بارگاہ رسالت ﷺ تک رسائی نصیب ہے اس لئے براہ راست حضور ﷺ سے دریافت فرمایئے کہ اس صورت حال پر اُمت

مسلمہ کو کیا کرنا چاہئے؟'' انہوں نے کافی کی چسکی لی' میری طرف غور سے دیکھا اور گویا ہوئے ''جن خوش نصیبوں کو بارگاہ اقدس تک رسائی نصیب ہوتی ہے اللہ کی رحمت انہیں اس عظیم دربار کی حاضری کے آداب بھی سکھا دیتی ہے' انہیں ادراک نصیب ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کی بارگاہ میں یہ سوال کرنا بدترین گستاخی ہے''۔ یکایک میرے اندر کا صحافی بیدار ہو گیا اور میں نے قدرے تلخ لہجے میں پوچھا ''انسانیت تڑپ رہی ہے' اُمت مسلمہ جل رہی ہے اور عالمی غنڈے ساری حدیں پھلانگتے ہوئے عصمت رسالت مآب تک آپہنچے ہیں' حضورؐ کی بارگاہ سے اس صورتحال کا حل دریافت کرنا گستاخی کیسے ہو سکتی ہے؟'' میرے لہجے کی تلخی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ شفقت بھرے لہجے میں بولے ''بیٹا! حضورؐ نے دنیا سے پردہ فرمانے سے پہلے قیامت تک اٹھنے والے ہر سوال کا جواب دے دیا ہے' اب وہاں جا کر سوال کرنا گویا اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا اور یہ ثبوت فراہم کرنا ہے کہ ہم نے سرکار کی تعلیمات سے استفادہ کرنے میں غفلت کا مظاہرہ کیا ہے..... اس میں کچھ شک نہیں کہ ظلم حد سے گزر چکا ہے مگر قیامت تک ظلم کو روکنے کی ذمہ داری بھی ہمارے ہی ناتواں کندھوں پر ہے' اگر حضورؐ نے یہ پوچھ لیا کہ تمہارے ہوتے ہوئے دنیا اس حالت کو پہنچ چکی ہے تو تم کیا کر رہے' مجھے بتاؤ اس سوال کا جواب کیا ہوگا۔'' مجھے خاموش دیکھ کر انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھا ''بارگاہ اقدسؐ وہ عظیم دربار ہے جہاں ابوبکرؓ وعمرؓ سر جھکائے بیٹھے ہیں' ماؤشما کی وہاں حیثیت کیا ہے' ایک ہی اسلوب ہے سر جھکا ہو اور آنسوؤں کی جھڑی لگی ہو' سوال وجواب کی جرات وہاں کسی میں نہیں ہوتی''۔ طویل قامت بزرگ کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے' عینک اُتار کر وہ رومال سے آنکھیں صاف کر رہے تھے کہ میں نے فیصلہ کن سوال کر دیا ''مجھے آپ کی بات سے اتفاق ہے لیکن یہ بتایئے کہ موجودہ صورتحال پر حضورؐ نے کیا ارشاد فرمایا تھا''۔ انہوں نے تھکے تھکے انداز میں کُرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور دھیمے لہجے میں گویا ہوئے ''حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جس شخص سے حیا اُٹھ جائے اُس کا جو جی چاہے کرے'' میری الجھن کو بھانپتے ہوئے انہوں نے وضاحت کی ''میں آج اس دور دراز پہاڑی مقام پر بیٹھا ہوں لیکن اسرائیل کے علاوہ دنیا کا چپہ چپہ گھوم آیا ہوں' ڈنمارک جا کر میں نے دیکھا ہے کہ وہاں مخلوق خدا لباس صرف سردی سے بچنے کے لئے پہنتی ہے' کسی شرم وحیاء کا وہاں گزر نہیں ہے' جنسی بے راہ روی' اخلاقی اختلاط، حیاسوزی اور شرمناک حرکات کے لئے ڈنمارک چیمپئن کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کے متعلق مشہور بات یہ ہے کہ یہاں کی نئی نسل بچہ گاڑی سے باہر قدم رکھتے ہی معصومیت کو خیر باد کہہ کر حیاسوزی اور اخلاقی گراوٹ میں ہاتھ رنگنے شروع کر دیتی ہے۔ ڈنمارک وہ ملک ہے جہاں کی اکثریت ناشتہ شراب سے کرتی ہے۔ اس ماحول میں رہتے ہوئے انہیں محمد رسول اللہ ﷺ کے مرتبے اور مقام سے آشنائی کیسے ہو سکتی ہے!''۔ محفل کو جیسے سانپ سونگھ گیا' سب سر جھکائے پوری توجہ سے ان کی گفتگو سُن رہے تھے انہوں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''احتجاجی مظاہرے ہنگامے اور غریبوں کی بسیں جلانے کی بجائے آج اُمت مسلمہ کو چاہئے کہ وہ مخلوق خدا کو حیاء دینے کی کچھ سبیل کرے''۔ میں نے اُن کی گفتگو کاٹتے ہوئے سوال کیا ''اُمت مسلمہ دنیا کو حیاء دینے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرے۔'' انہوں نے کافی کی چسکی لی اور کہا ''لقمہ حرام بے حیائی کو جنم دیتا ہے اور آج کے دور کا المیہ یہ ہے کہ رزق حلال ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جو لوگ سود نہ کھانا چاہئیں گے اُن کے حلق تک بھی سود کی گرد پہنچے گی اور آج ہم اسی دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ سودی معیشت

سے نجات کے سوا آج انسانیت کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگرچہ گستاخی تھی مگر گفتگو کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے میں نے چبھتا ہوا سوال کیا "ہماری مذہبی فکر سُود کی تباہ کاریوں پر لمبے چوڑے واعظ تو کرتی ہے لیکن متبادل معاشی نظام کا قابل عمل ڈھانچہ پیش کرنے سے قاصر ہے"۔ وہ مسکرائے اور کہا "ہم نے چھ سال قبل اسلامی معاشی نظام کا مکمل خاکہ تیار کر کے فائل صدر مملکت کو بھجوائی تھی اور گذشتہ ساٹھ سال سے ہر حکمران کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن افسوس وہ اس طرح متوجہ نہیں ہوتے اور نہ ہی عام آدمی سُود کھانے سے باز آتا ہے" وہ تھوڑی دیر کے لئے رُکے پھر میری طرف دیکھ کر کہا "میری ایک بات بطور خاص نوٹ کر لیں جب بھی انقلاب آئے گا اور اصلاح احوال کی کوئی تحریک اٹھے گی تو اس کی ابتداء "معیشت" سے ہوگی۔ آج کے ہر مسئلے کی تہہ میں معیشت کارفرما ہے یہاں تک کہ ایمان کی بقاء کا تعلق بھی معیشت کے ساتھ ہے' یہ جتنا احتجاج اور ہنگامے ہو رہے ہیں اس کی بجائے اگر دینی قوتیں ملک وقوم کو سودی معیشت سے نجات دلانے کے لئے متحد ہو جائیں تو یہ بہت بڑا کام ہوگا"۔

میں اُن کا کافی وقت لے چکا تھا اس لئے آخری سوال کیا "تصوف آپ کا اصل فن ہے' کچھ اس بارے بھی رہنمائی فرمائیے"۔ وہ سنجیدہ لہجے میں گویا ہوئے "تصوف سوال وجواب سے سمجھ آنے والا فن نہیں یہ کرنے کا کام ہے اگر آپ خواہش رکھتے ہیں تو وہ سامنے تصوف کی درسگاہ موجود ہے تشریف لے جائیے' کھانا بھی ملے گا' رہائش بھی ملے گی اور تربیت کا سارا سامان بھی دستیاب ہوگا"۔ میں نے اجازت لی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اب میں تصوف کی درسگاہ کی طرف چل رہا تھا لیکن ذہن میں بار بار سوال اُبھرتا تھا کہ اتنی روشن تعلیمات اور اس قدر درخشاں شخصیت "لغت ہائے حجازی کے قارونوں" کی نگاہوں سے اوجھل کیوں ہے؟ خانقاہ کے در و دیوار سے آواز آئی تعصب' انا' ہٹ دھرمی' جہالت' اکثر اوقات علم بھی حجاب بن جاتا ہے۔

(جاری ہے)

بشکریہ روزنامہ "امن"

............☆☆☆............

غزل (حضرت جی مدظلہٗ کے حضور)

تو خمار فصلِ بہار ہے میرے دل کے شہر خزاں میں آ
تجھے زیب دیتا ہے لامکاں تو زمیں میں آ تو زماں میں آ
تیری بارگاہِ نیاز کی کوئی تاب لائے تو کیوں مگر
یہ بھی ہے جھلک تیرے فیض کی کہ کسی کے وہم وگماں میں آ
تیرا منتظر ہے مکانِ دل کبھی اس طرف کی سیر کر
کسی طور سے تو ادھر اُتر کسی طور سے رگ جاں میں آ
وہاں ساٹھ تھے اور تین سو یہاں بے شمار وحساب ہیں
کبھی فتح مکہ بھی کر گزر کبھی دہر وشہر بتاں میں آ
تیرا کھوج پائیں تو کس طرح تجھے ڈھونڈ لائیں تو کس طرح
کبھی آپ ہی تو نگاہ کر کبھی آپ اجڑے جہاں میں آ
بھلا کیسے ممکن ہے خود ہی کہہ تجھے پاسکوں تیری ذات سے
اگر ہو سکے تو نگاہ میں آ جو نہیں تو اشک رواں میں آ
تو حدیث غمزہ و ناز ہے تو ہے آیتِ رخ لم یزل
کبھی خود کو خود ہی بیان کر یا پھر آ تو میرے بیاں میں آ

☆ ....از قلم محمد منیر ایاز' خوشاب

باتیں اُن کی..... بیادِ پروفیسر حافظ عبدالرزاقؒ

قاریہ

وہ علم کا سمندر تھے اور میں خود کو علم کا سمندر سمجھتی تھی جب میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔

مجھے بیعت ہوئے دو چار ماہ ہی ہوئے ہوں گے کہ ماہنامہ ''المرشد'' میں اوپر تلے اُن کے دو مضامین شائع ہوئے جن میں حافظ صاحب نے خواتین کی بے پردگی و بے حجابی پہ خوب تنقید کے ساتھ خواتین کو بھی موضوعِ سخن بناتے ہوئے چند جذباتی کلمات بھی لکھ ڈالے تھے۔ جس پہ ہمارا زنانہ خون کھول اٹھا اور نسائیت کے لئے لفظ مردانگی کا جو کوئی بھی مترادف ہے ہمارے اندر جاگ اُٹھا۔ چنانچہ فوراً سے پیشتر قلم اٹھایا اور جو خط ایڈیٹر کے نام لکھا جانا چاہئے تھا' حضرت جی مدظلہ کے نام لکھ دیا۔ جواب آیا ''یہ گناہ حافظ صاحب سے سرزد ہوا ہے لٰہذا اُن ہی سے رجوع کیا جائے''۔ انہی دنوں دارالعرفان آنے کا اتفاق ہوا تو مسجد سے ملحقہ حضرت جی کے دفتر میں حافظ صاحب سے بالمشافہ گفتگو کا موقع مل گیا۔ ہم کہ ابھی طفلِ مکتب بھی نہ تھے اور خود کو اُن ہی کے پائے کا سکالر سمجھتے تھے ایک ہی سانس میں اپنا مدعا بیان کیا اور خواتین کی حمایت میں پورا زورِ خطابت صرف کرتے ہوئے اُن سے مردوں کے ستر عورت پہ بھی کچھ لکھنے کی درخواست (حکم کے لہجے میں) کی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا موقف سنتے رہے ہم نے اس خاموشی کو اُن کی پسپائی جانا اور اسی لئے انہوں نے اگر کچھ کہنے کی کوشش بھی کی تو اپنے زورِ بیان میں ان سنی کر دی۔

حافظ صاحب لاجواب ہونے والوں میں سے نہیں تھے' ہماری عمر (جو اُس وقت بمشکل انیس سال ہوگی) علمی قابلیت اور ذہنی سطح کو دیکھتے ہوئے (یہ ہم پہ بہت بعد میں کھلا) ہماری گفتگو اور اعتراضات کو پی گئے۔ وقفے وقفے سے اُن کی مسکراہٹ بے آواز ہنسی میں بھی بدلتی رہی جسے وہ اپنے مخصوص انداز میں سر ہلاتے ہوئے ''حد ہوگئی'' کہہ کر روک لیتے اور ہم اپنے طور پر ایک کامیاب بحث کر کے گھر لوٹ آئے۔

مگر وہ چھوٹی سی عمر کی حماقت میرے یوں کام آئی کہ حافظ صاحب کے ظرف نے مجھے ایک ایسی مخصوص شفقت سے نواز دیا جو صرف میرے لئے ہی مخصوص رہی۔ اس کے بعد جوں جوں ذکر کیا' ماہنامہ ''المرشد'' اور سلسلہ عالیہ کی کتب کا مطالعہ کیا تو آہستہ آہستہ کھلتی آنکھوں میں حافظ صاحب کا مقام و مرتبہ بڑھتا گیا انہیں پڑھنا' ان سے ملنا اور انہیں سننا اچھا لگنے لگا۔ مجھے یہ مواقع زندگی میں ملے بھی بہت۔ خاص طور پہ لائبریری میں کتب کی شعبہ وار تقسیم' اور پھر نمبر لگا کر رجسٹر پہ اندراج وغیرہ کا کام میں نے ہفتوں اُن کے ساتھ کیا۔

وہ بلاشبہ علم کا سمندر تھے۔ تصوف' فقہ اور حدیث بارے مختلف پہلوؤں پہ بے شمار حوالہ جات انہیں یوں ازبر تھے گویا اس موضوع پہ انہوں نے رات ہی اپنا لیکچر تیار کیا ہو۔ وہ جو چینی محاورہ ہے

Talking once with a genius is equal to the knowledge of reading books for months.

اُن سے مل کر سمجھ میں آ تا۔ کسی بھی ضخیم سے ضخیم کتاب کو پکڑ کر میں اُس کا نام لیتی تو وہ دور بیٹھے اُس کا شعبہ اور مصنف کا نام لے دیتے۔ وہ دن آج بھی خوبصورت خوابوں کی یاد کی طرح میرے ذہن میں محفوظ ہیں جب کتابوں کے انبار میں وہ تہرے کئے ہوئے روئی کے گدے پہ بیٹھے ایک ایک کتاب اُٹھا کر مجھ سے رجسٹر پہ اندراج کروا رہے ہوتے تھے اور میرا ہاتھ اُن کے بولنے کی رفتار کا ساتھ دیتے دیتے شل ہو جاتا۔ اس نہایت سنجیدہ اور محنت طلب کام میں اُن کی شگفتگی اور بزلہ سنجی ہمیں تروتازہ رکھتی۔ اس دوران وہ سنجیدہ سے سنجیدہ موضوع پہ بھی گفتگو کرتے اُس موضوع کے حوالے سے جتنا علم اُن کے پاس ہوتا اُسے ملخص کر کے ہم تک پہنچانے کی کوشش کرتے اور اس نہایت سنجیدگی کے عالم میں بھی کوئی نہ کوئی چٹکلہ چھوڑے بغیر نہ رہتے اور خود بھی اُسے خوب Enjoy کرتے۔

انہیں اس بات کا بہت اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ کس پائے کی ہنسا دینے والی بات کرنے والے ہیں۔ پہلے وہ بہت سنجیدہ سا منہ بنا کر بات شروع کرتے۔ خاص طور پہ اگر وہ بات کسی کے سوال سے شروع ہو رہی ہوتی تو وہ اس سوال کو خاصی تُرشی ملی سنجیدگی سے سناتے اور پھر اپنا جواب سناتے ہوئے اُن کے چہرے پہ بچوں کی سی خوشی چھلکنے لگتی اُن کا مدلل جواب بھی عموماً ایسی لاجواب کر دینے والی طنز کے ساتھ ہوتا کہ مخاطب مسکرائے بغیر نہ رہ پاتا۔ اُس جواب کو سناتے ہوئے وہ خود بھی خوب حظ اٹھاتے اور بے آواز ہنسی سے اُن کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔

وہ سب سے زیادہ لطف اس بات میں لیتے جس میں انہوں نے کسی کے مشکل ترین سوال کا جواب نہایت کاٹ دار طنز میں دیا ہوتا۔ مخاطب کو لاجواب ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ جانے پہ مجبور کر دینا اُن پہ ختم تھا۔

ایک مرتبہ خواتین کی ایک محفل میں ایک ماڈرن سی بی بی نے پوچھا حافظ صاحب قرآن وحدیث میں کہاں آیا ہے کہ عورت دوپٹہ اوڑھے! حافظ صاحب نے سوال ہی سے اُس کی علمی قابلیت کا اندازہ لگا لیا اور جھٹ بولے ''قرآن وحدیث میں کہاں آیا ہے کہ عورت شلوار پہنے'' جواباً خاتون سرخ چہرے کے ساتھ لاجواب سی ہو کر رہ گئی۔

لیکن وہ ہر سوال کا جواب یوں نہیں دیتے تھے مخاطب کی علمی قابلیت اور ذہنی سطح کے علاوہ سوال کئے جانے کی غرض ومقصد بھی پیش نظر رکھتے ہوئے جواب دیتے۔

اُن کی شخصیت کی جو بات مجھے سب سے زیادہ متاثر کرتی' وہ اُن کی سخن فہمی تھی۔ میں نے اس پائے کی سخن شناسی شاید ہی کسی اور میں دیکھی ہو۔ مجھے اُس وقت بہت لطف آتا جب میں ایک چھوٹا سا جملہ کہتی اور وہ ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں اُس کی گہرائی تک جا پہنچتے۔

ایک مرتبہ مجھ سے کسی بات پہ خفا ہو کر بولے ''یہ تیری شرارت ہے'' عرض کیا' حافظ صاحب مجھے تو خبر بھی نہیں' وہ نہایت سخت اور حتمی لہجے میں بولے ''نہیں تو نے ہی یہ کیا ہے......'' میں نے تڑپ کر کہا ''حافظ صاحب! آپ کو پتہ ہے حسن ظن کسے کہتے ہیں؟ ''ظ والا'' انہوں نے جواب دیا اور بے آواز ہنسی سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اپنے مخصوص انداز میں سر ہلا کر بولے ''حد ہو گئی''

اُن کا علمی مقام کسی بھی علم کے متلاشی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اُن کی قلمی خدمات ہر پڑھنے والے پہ روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ بڑی سے بڑی تنقید پہ مدلل اور تنقید برائے تنقید پہ ان کی منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت سے ان سے ملنے والا ہر ناقد خوب واقف ہے لیکن میرا دل چاہ رہا ہے کہ آج ان کی شخصیت بارے وہ باتیں کروں جو

اپنے ساتھ اُن کے ذاتی تعلق پہ میں نے محسوس کیں۔

وہ نہایت شفیق، چھوٹی چھوٹی باتوں پہ خوش اور ناراض ہونے والے بہت ہی بے ضرر انسان تھے (آج ان کے لئے لفظ 'تھے' لکھتے ہوئے دل دکھتا ہے) میں نے ان کی ناراضگی، بہت سنجیدہ نوعیت کی، کبھی نہیں دیکھی ایک پل میں اگر وہ ناراض ہو جاتے تو اگلے ہی لمحے ایک آدھ چھوٹے سے جملے پہ ناراضگی بھلا کر خوش بھی ہو جایا کرتے تھے۔

ایک بات جو انہیں بہت ممتاز رکھے ہوئے تھے اور جسے میں سالکین کی راہنمائی کے لئے ضرور لکھنا چاہوں گی وہ ان کے دل میں حضرت جی مدظلہ کا بے پناہ احترام تھا وہ لائبریری میں بیٹھے اگر کچھ لکھ رہے ہوتے اور حرف ''ش'' کے دو نقطے لگانے پہ انہیں پیغام ملتا کہ حضرت جی مدظلہ بُلا رہے ہیں تو وہ ''ش'' کا تیسرا نقطہ لگانے سے پہلے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے حضرت جی مدظلہ کے بلاوے پہ سوچا ہو کہ لکھا جانے والا لفظ تو دور کی بات حرف ہی مکمل کر لیں۔

وہ خود صاحب علم اور استادوں کے استاد تھے لیکن میں نے یہ دیکھا کہ اگر اُن کی کسی بات کے جواب میں میں بتاتی کہ اس سوال کا جواب حضرت جی مدظلہٗ نے یہ دیا ہے تو وہ ایک لمحے میں اپنے موقف سے دستبردار ہو جاتے اور فوراً فرما دیتے کہ ''جو حضرت نے فرمایا ہے وہ درست ہے''۔ (کاش میں نے ایسے تمام تر نقاط نوٹ کئے ہوتے تو آج ساتھی بھی اس سے مستفید ہوتے) کسی بھی صاحب علم کا یوں اپنی رائے یا موقف کو چھوڑ دینا اس بات کا گواہ ہے کہ وہ واقعی کسی کو اپنا استاد یا شیخ مانتا ہے۔

مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے کہ جب ایک مرتبہ حضرت جی نے دارالعرفان آنے پہ انہیں صقارہ گرلز سکول یہ فرما کر بھیجا کہ دیکھیں یہ بچیاں کچھ کام کر بھی رہی ہیں یا نہیں تو وہ انسپکشن کے لئے آنے والے کی آن بان سے آنے کی بجائے نہایت جھجکتے ہوئے میرے پاس آ کر فرمانے لگے ''یقین کیجئے میں آیا نہیں ہوں بھیجا گیا ہوں''۔ ان کا یہ انداز مجھے شرمندہ کر گیا۔ عرض کیا حافظ صاحب آپ تو ہمارے نہایت محترم اور صاحب علم بزرگ ہیں اور سکول کا انسپکشن کوئی مخاصمت تو نہیں ہوتا۔ آپ کو تو ہماری راہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے لیکن حافظ صاحب کے انداز میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اور انہوں نے بہت جھجکتے ہوئے سکول کے کمروں میں قدم رکھا۔ آخر میں آفس تشریف لائے تو عرض کیا ''سر، میری تو اپنی لکھائی بہت گندی ہے سمجھ میں نہیں آتا بچوں کی لکھائی کیونکر درست کرواؤں'' اس پہ انہوں نے مجھے لکھنے کے چند اصول سکھائے جنہیں اپنانے سے عام لکھائی خوبصورت اور گندی سے گندی لکھائی بھی قابل فہم ہو جاتی ہے۔ فرمانے لگے ''خوبصورت خط تو اللہ کریم کی دین ہے جسے عطا فرما دے لیکن لکھائی کو قابل فہم بنانا تو ہمارے اختیار میں ہے''۔

اُن کے سکھائے ہوئے وہ اصول آج بھی سکول آنے والے ہر استاد کو سکھاتی ہوں اور یوں یہ بھی اُن کی ناقابل فراموش یادوں میں سے ایک یاد میرے پاس رہ گئی ہے۔

جب تک وہ چلنے پھرنے کے قابل تھے دارالعرفان آنے پہ اُن سے ملاقات ہو جایا کرتی ایک مرتبہ عرض کیا سر آپ کے آنے کی ہمیں اطلاع نہیں ہوتی اور یوں کئی مرتبہ آپ سے ملاقات رہ جاتی ہے آپ جب بھی آئیں ہماری طرف بھی آیا کریں تو فرمانے لگے دل تو بہت چاہتا ہے لیکن آپ نے جو باہر بورڈ لگا رکھا ہے ''مردوں کا داخلہ منع ہے'' وہ مانع آتا ہے عرض کیا آپ ''م'' پہ پیش سمجھ کر آ جایا کریں۔ جواباً بے آواز ہنسی پہ سر ہلا کر بولے ''حد ہوگئی''

کچھ برسوں سے وہ بالکل ہی صاحب فراش ہو گئے اب اُن سے رابطہ ٹیلی فون تک محدود ہو گیا یا مہینوں بعد کبھی چکر لگ جاتا اور ڈیڑھ دو

گھنٹے بیٹھ کر بھی اجازت طلب کرتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے کیا کرنا ہے جا کر۔

اب ہر ملاقات پہ اُن کی ایک ہی درخواست ہوتی کہ ''حضرت سے کہنا دعا فرمائیں خاتمہ ایمان پہ ہو'' یہ کہتے ہوئے اُن کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ ہر ٹیلی فونک گفتگو کا اختتام بھی اسی جملے پہ ہوتا۔

گلے کی تکلیف بڑھ جانے پر اب وہ قدرے اٹک اٹک کر ہر لفظ علیحدہ علیحدہ رک رک کر بولنے لگے تھے اُن کا اس لہجے میں بار ہا کہا ہوا وہ جملہ آج بھی کانوں میں گونجتا ہے۔

میں نے انہیں نہایت نحیف ونزار حالت میں بھی کبھی بیماری کی شکایت کرتے یا صحت کیلئے دعا کا کہتے نہیں سنا۔ اُن کی صرف ایک درخواست ہوتی۔ خاتمہ بالایمان کی دعا کیجئے۔

میں اکثر اُن سے پوچھتی حافظ صاحب یوں اکیلے لیٹے لیٹے کیونکر وقت گزرتا ہے؟ تو فرمایا ''صوفی کبھی اکیلا نہیں ہوتا''۔

ایک دفعہ میں نے کہا حافظ صاحب آپ اکتا تو جاتے ہوں گے تو فرمانے لگے ''اب ہی تو موقع ملا ہے عبادت کرنے کا' اب دعا کرو اور حضرت سے بھی کہنا خاتمہ ایمان پر ہو''۔ اُن سے جب بھی ملنے کا اتفاق ہوا انہیں درود شریف پڑھتے ہی پایا۔ شہادت کی انگلی میں کاؤنٹر ڈالے آنکھیں بند کئے لیٹے ہوئے ہوتے۔

آخری مرتبہ جب میں ملنے گئی تو وہ بستر پہ دراز تھے۔ دروازے ہی پہ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ سانس بھی آ' جا رہی ہے یا نہیں۔ اتنے میں میرے آنے کی اطلاع ملی تو یکدم اٹھنے کی کوشش کی اور پھر اُٹھ بیٹھے انہیں بیٹھتے دیکھ کر مجھے نہایت خوشگوار حیرت ہوئی۔ کسی بھی ساتھی کو دیکھ کر اُن میں گویا جان سی پڑ جاتی۔ اُس دن بھی وہ بغیر سہارے کے یوں اٹھ بیٹھے جیسے وہ بالکل تندرست ہوں۔ گھنٹہ بھر بغیر سہارے کے بیٹھے رہنے کے بعد فرمانے لگے ''اب بہت کمزور ہو گیا ہوں بس پا بہ رکاب ہوں'' جملے کے آخری حصے پہ میرا دل دکھ سا گیا اور میں نے دانستہ لاپرواہ سے انداز میں کہا ''رہنے دیجئے حافظ صاحب ہم سے تو آپ کی صحت اب بھی اچھی ہے، میں گھنٹہ بھر سے ستر دفعہ پہلو بدل چکی ہوں اور بیسیوں مرتبہ کرسی سے کمر ٹیک بیٹھی ہوں جبکہ آپ مزے سے بغیر سہارے کے بیٹھے ہیں۔'' اس پہ وہ بے ساختہ اور بے آواز ہنسی کے بعد اُسی مخصوص انداز میں سر ہلا کر بولے ''حد ہو گئی''۔

میرے ساتھ عفیفہ خان تھیں ہم لوگ اٹھنے لگے تو بہت دکھی سا ہو کر ہمیں بھی آزردہ کر دیا نم آنکھوں سے اٹک اٹک کر وہی درخواست دہرائی ''حضرت سے کہنا دعا فرمائیں خاتمہ ایمان پر ہو''۔

آخری مرتبہ فون پہ بات ہوئی تو فرمانے لگے ''کسی دن آ کر مل جاؤ'' اور پھر یہ ٹیلی فونک رابطہ بھی بند ہو گیا کہ اب اُن کی آواز ٹیلی فون پہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔

میں اُن سے ملنے کیلئے جانے کا ارادہ کرتی ہی رہ گئی کہ خبر ملی ان کی خاتمہ بالایمان کی دعا قبول ہو گئی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج کے اس دور میں جب انسان زبان دانی کو جانوروں کی طرح بس بات کا مفہوم پہنچانے ہی کیلئے کافی سمجھنے لگا ہے حافظ صاحب جیسے سخن فہم و سخن شناس انسان کمیاب ہیں جو ایک ایک لفظ کو پہچاننے' سنوارنے اور برتنے کا ہنر جانتے تھے۔ زبان اس قحط الرجال پہ نوحہ خواں ہے مگر اسے خونِ جگر سے سینچنے والے لوگ لالہ و گل میں نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔

..................☆☆☆☆..................

عبادات کا مفہوم

''عبادت سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ نے جو عبادات فرض کیں ہیں صرف انہیں عبادت کہا جائے ظاہر ہے کہ کفار مشرکین یا بُت پرست یا دوسرے لوگ اس طرح بتوں کی عبادت نہیں کرتے جس طرح ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو پھر ان کے افعال کو کیوں عبادت کہا جاتا ہے۔ کسی ہستی کے ڈر سے کہ اس کی اطاعت نہ کی تو نقصان پہنچائے گا یا نفع کی امید پر کہ اس کی اطاعت کی تو نفع پہنچائے گا جو اطاعت کی جاتی ہے وہ عبادت کہلاتی ہے کسی سے بھی امیدیں وابستہ کرلی جائیں اور اس کی خوشنودی کے کام کیئے جائیں، اس کو راضی کرنے کے لئے کچھ امور انجام دیئے جائیں یا یہ خطرہ ہو کہ اگر یہ ہستی ناراض ہوگئی تو میرا بہت نقصان ہوگا۔ اللہ کریم نے جو عبادات فرض کی ہیں فلسفہ اُن کا بھی یہی ہے کہ اللہ کی رضا مندی حاصل ہو اور اللہ کریم کے انعامات حاصل ہوں اس لئے فرمایا کہ اس طرح کی اطاعت کا مستحق صرف اللہ ہے۔ اللہ کے علاوہ جتنی مخلوق ہے وہ خود مخلوق ہے اور جو اپنی ضرورتوں میں محتاج ہو اس سے دوسرے حاجت براری کی امید رکھیں تو یہ فضول ہے''۔

ماخوذ از ''اکرم التفاسیر''

یونیک انٹرنیشنل گارمنٹس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

یو۔کے ہوزری پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون
041-2664028
041-2665971

حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی عمر مبارک پر تحقیقی نظر

تحریر و تحقیق:۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی

اکثر کتب روایات میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے جب نکاح کیا تھا تو حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی تھی۔ حالانکہ حقیقت وہ نہیں ہے جو وہ بیان کرتے ہیں بلکہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۹ سال سے کم نہ تھی حضرت عائشہؓ کی عمر کی تحقیق میں جو تساہل ہوا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمنان اسلام نے خدا کے رسول ﷺ کی ذات پر رکیک حملے کئے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا۔ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات نے اس داستان کو خلاف عقل قرار دیا۔ ان حالات میں ہم نے روایات پر از سر نو تحقیق شروع کی اور غور و فکر کے بعد جو امور اور حقائق سامنے آئے ہیں ہم وہ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے ایک بہت بڑی حقیقت سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔

تاریخی حقائق

حضرت عائشہؓ کا سنہ ولادت تاریخ وسیرت کی کتابوں میں تعین کے ساتھ نہیں ملتا البتہ بعض قرائن اور دوسری روایات سے سنہ ولادت کا تعین ہوتا ہے۔

(۱) دور اول کے مشہور معروف مورخ امام محمد بن جریر طبری جنہوں نے بہت تفصیل سے تاریخ مرتب کی ہے حضرت ابو بکرؓ کے حالات میں رقمطراز ہیں حضرت ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں دو خواتین سے شادی کی تھی جن سے چار بچے پیدا ہوئے۔ قتیلہ سے عبداللہ اور اسما اور اُم رومان بنت عامر سے عبدالرحمٰن اور عائشہ۔ یہ چاروں بچے زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) ہی میں پیدا ہوئے تھے اس عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ بعثت نبوت سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اب اگر اُم المومنین بعثت سے چند ماہ قبل بھی پیدا ہوں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر پندرہ سال بنتی ہے۔ حقائق اور واقعات بتاتے ہیں کہ اُم المومنین بعثت سے کم از کم پانچ سال قبل پیدا ہوئیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ام المومنین کی رخصتی انیس سال کی عمر میں ہوئی۔ یہ یاد رہے کہ جب حضرت محمد ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی اور اس کے بعد آپ ﷺ بعثت کے تیرہ سال مکہ میں رہے۔ اس کے بعد ہجرت فرمائی۔

(۲) سنہ ولادت کا تعین صاحب مشکوۃ المصابیح ولی الدین محمد بن عبداللہ کی مستند کتاب ''الاکمال فی اسماء الرجال'' سے معلوم ہوتا ہے وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنی بہن حضرت اسماء سے دس سال چھوٹی تھیں اور حضرت اسماءؓ کی وفات ۷۳ھ میں تقریباً سو سال کی عمر میں ہوئی ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی لہذا حضرت عائشہؓ کی عمر مبارک بوقت ہجرت سترہ سال بوقت نکاح چودہ سال بوقت رخصتی ۱۹ سال ہوئی۔ (حضرت عائشہؓ کی رخصتی ۲ھ میں ہوئی تو لازماً ان کی عمر ۱۹ سال قرار پائے گی) امام نودی، حافظ ابن کثیر، علامہ قسطلانی، حافظ بدر الدین عینی وغیرہ سب ہی کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی ۲ھ میں ہوئی۔

(۳) علامہ ابن اکثیر نے بھی اپنی شہرہ آفاق تاریخی کتاب

''البدایہ والنہایہ'' میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ''حضرت اسماء نے ۷۳ھ میں ایک سو سال کی عمر میں انتقال کیا وہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھی''۔

(۴) اسی طرح ابن ہشام نے اپنی کتاب ''سیرۃ ابن ہشام'' میں جہاں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سابقین اولین کے زیر عنوان اس کی ابتدا حضرت خدیجہؓ سے کرتے ہوئے آزاد مرد و خواتین، غلام اور بچے ایک ہی فہرست میں شامل کئے ہیں اس کے بعد نبات الصدیق کا ذکر کرتے ہوئے ابن ہشام تحریر کرتے ہیں۔ ''حضرت اسما بنت ابی بکرؓ جو اس وقت کم سن تھیں اسلام قبول کیا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ بعثت سے قبل پیدا ہو چکی تھی۔ زمانہ اسلام کا آغاز ۱۳ھ قبل ہجرت سے ہوتا ہے۔ اب اگر حضرت عائشہؓ کی ولادت زمانہ جاہلیت کے اختتام کے موقع پر ہی تسلیم کی جائے تب بھی ان کی عمر ۱۴ سال سے کم ثابت نہیں ہوتی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ کی ولادت زمانہ جاہلیت کے خاتمہ پر ہوئی ہو۔ اسکی نفی خود بطری کی تصریح سے عیاں ہے وہ حضرت عائشہؓ کی ولادت کو دور جاہلیت کے خاتمہ کا نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت کا واقعہ قرار دیتے۔

(۵) ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے حضرت ابوبکرؓ کی شادی اُم رومان سے ۲۸ سال کی عمر میں ہوئی نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ سے دو سال بڑے تھے اگر اُم رومان سے عبدالرحمٰن اور عائشہ کی پیدائش ابتدائی چار پانچ سال میں یکے بعد دیگرے ہوئی ہو جو قرین قیاس ہی ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت عائشہؓ کی پیدائش کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی عمر ۳۲ تا ۳۳ سال ہوگی اور اس وقت آنحضرتؐ کی عمر ۳۴ یا ۳۵ سال ہوگی اور نبوت آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں ملی ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ یقیناً بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔

(۶) تمام مورخین کو اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی کل عمر ۶۷ سال کی ہوئی۔ خلیفہ بن خیام عصفری جو اصحاب سیر و انساب عرب میں خاص مقام رکھتے تھے وہ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا سن وفات ۵۰ھ تھا بلکہ ہشام بن عروہ جو حضرت اسماءؓ کے پوتے ہونے کے رشتے سے حضرت عائشہؓ کے بھی پوتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی دادی اماں حضرت عائشہؓ کا انتقال ۵۰ ہجری میں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہجرت نبوی ﷺ کے موقع پر حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۷ سال کی تھی اس طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی رخصتی کی عمر ۱۹ سال تھی نہ کہ ۹ سال۔

(۷) صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر سورۃ القمر مکہ میں نازل ہوئی اس وقت میں بچی تھی کھیلتی پھرتی تھی۔ سورۃ قمر مکہ کی نہایت ابتدائی دور کی سورۃ ہے لیکن اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ سورۃ قمر ہجرت سے پانچ سال قبل نازل ہوئی تو اس طرح بھی ہجرت کے وقت ان کی عمر چودہ یا پندرہ سال قرار پاتی ہے اور رخصتی کے وقت ان کی عمر ۱۷ سال سے زائد ہی بنتی ہے یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سید سلیمان ندویؒ جو اس خیال کے زبردست حامی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوئی غیر شعوری طور پر اپنی ہی رائے کے خلاف دلائل دے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب سیرت عائشہؓ میں ایک جگہ تحریر کرتے ہیں حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ برس تھی۔ دوسری جگہ انہوں نے لکھا ہے حضرت عائشہؓ بیوہ تھیں اور اس عالم میں انہوں نے زندگی کے چالیس مرحلے طے کیے۔

ان دونوں بیانات کو یعنی حضرت عائشہؓ کی عمر وفات کے وقت ۶۷

سال کی تھی اور ان کی بیوگی کا زمانہ ۴۰ سال کا رہا ہے۔ تسلیم کرنے کے بعد ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے موقع پر ان کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ اس طرح یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کی ولادت بعثت سے ۴ سال پہلے ہوئی تھی اس لئے کہ زمانہ نبوت ﷺ ۲۳ سال کا تھا ۲۷ سال میں سے ۲۳ نکالنیکے بعد ۴ سال بچتے ہیں اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر ۳۶ سال کی تھی کیونکہ نبوت آپ ﷺ کو ۴۰ سال کی عمر میں عطاء ہوئی ہے حضرت عائشہؓ کی ولادت بعثت سے ۴ سال قبل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کے موقع پر وہ ۱۷ سال کی تھیں اور دو سال کے بعد ۱۹ سال کی تھیں۔

(۸) ''اسد الغابہ'' میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں اب ہمیں حضرت فاطمہؓ کا سن پیدائش دیکھنا ہے۔ اسد الغابہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش اس سال کو ہوئی تھی جبکہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور نبی اکرم ﷺ کی عمر ۳۵ سال کی تھی اسد الغابہ ہی میں ہے کہ کہ حضرت عباسؓ نے کہا کہ فاطمہ اس زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

(۹) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ ان دنوں پیدا ہوئی تھیں جب قریش بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اور یہ واقعہ نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔ دوسری جگہ حضرت عباسؓ نے فرمایا دیکھو فاطمہؓ تم ان دنوں پیدا ہوئی تھیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اور نبی کریم ﷺ کی عمر ۳۵ سال تھی اس لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سال ولادت نبوت کا پہلا سال قرار دیا جائے تو ہجرت نبوی ﷺ کے وقت ان کی عمر تیرہ سال سے زیادہ بنتی ہے اور رخصتی کے وقت پندرہ سال سے زیادہ۔

(۱۰) ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کا غزوہ بدر میں موجود ہونا غزوہ احد میں پانیچ چڑھائے ہوئے زخمیوں کو پانی پلانا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپؓ اس وقت نو سال کی کم عمر لڑکی نہیں بلکہ جوان خاتون تھیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے چودہ سالہ لڑکوں کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی اس غزوہ میں شرکت کیلئے کم از کم عمر کی حد پندرہ سال رکھی گئی تھی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی کم عمر لڑکی کو غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی جائے۔ جنگ اُحد میں ایک موقع پر دیگر خواتین کے ساتھ حضرت عائشہؓ بھی مدینہ سے پانی بھر کر لاتی اور مجاہدین کو احد کے دامن میں پانی پلاتی تھیں یہ کام کسی کم سن کا نہیں بڑی لڑکی یا عورت ہی کا ہو سکتا ہے۔

(۱۱) حضرت عائشہؓ نے معراج اور ہجرت نبوی ﷺ کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان کی توقع ایک ذہین اور بالغ لڑکی ہی سے کی جا سکتی ہے کسی کم سن لڑکی سے یہ امید نہیں کی جا سکتی اس بات پر سب کو اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کو قرآن وحدیث، علم الانساب، شعر و ادب اور تنقید و فہم سخن میں درجہ کمال حاصل تھا علاوہ ازیں وہ طب میں بھی دخل رکھتی تھیں اس میں شبہ نہیں کہ تفسیر قرآن، حدیث اور دیگر دینی علوم انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی فیض صحبت سے حاصل کئے تھے۔ ولی الدین الخطیب مصنف مشکوۃ تحریر کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ فقیہہ، عالمہ، فصیحہ، فاضلہ تھیں۔ بکثرت احادیث رسول ﷺ سے نقل کرتیں۔ زمانہ جاہلیت کی جنگوں اور ان کے اشعار کی بہت ماہر تھیں۔ ام المومنین کے بھانجے عروہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، تاریخ عرب اور انساب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا...... عطا ابن ابی ریاح کہتے ہیں کہ ام المومنین سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ عالم اور سب سے اونچی فکر رکھتی تھیں...... حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ جب ہم صحابہ کو کسی حدیث میں دشواری پیش

آتی تو ہم یہ مشکل اُم المومنین کے سامنے پیش کرتے اور ہمیں اس مشکل کا حل ان کے پاس ملتا۔ حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے دین کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں تک پہنچا ہے ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں ان کی حیثیت محض راوی ہی کی نہ تھیں بلکہ وہ فقیہہ و مفسر اور مفتی و مجتہد بھی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تک بعض مسائل میں ان کی جانب رجوع کرتے تھے۔

ایک اہم قرینہ

یہاں اس کا ذکر بھی بے محل معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہؓ کا جن حالات میں نبی اکرم ﷺ سے نکاح ہوا وہ حالات کیا تھے؟ اصل میں حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد نبی کریم ﷺ فطری طور پر مغموم تھے خولہ بنت حکیم نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ ﷺ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کس سے نکاح کروں؟ خولہ نے جواب دیا کہ اگر آپ ﷺ چاہیں تو کنواری سے نکاح ہو سکتا ہے اور اگر بیوہ کا خیال ہو تو اس سے بھی ممکن ہے بکرواوثبا (باکرہ بھی ہے اور ثیب بھی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کنواری کون ہے اور بیوہ کون ہے؟ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور سودہ بنت زمعہ کے نام لئے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی کم سنی کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ حضرت ابوبکرؓ ہی نے یہ عذر پیش کیا کہ عائشہ کم سن ہیں ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ وہ تو ابھی بچی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اتنی کم عمر ہرگز نہ تھیں جو قابل اعتراض ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے اگر کوئی عذر پیش کیا تو یہ کہ ان کے اور حضور ﷺ کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ قائم ہے اس لئے آپس میں شادی بیاہ کا رشتہ کیسے قائم ہو سکتا ہے ان کے خیال میں عائشہؓ حضور ﷺ کی بھتیجی ہے اور بھتیجی سے نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ حضور ﷺ نے کہلوا بھیجا کہ ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ تم میرے دینی بھائی ہو اور یہ تعلق شادی بیاہ کے معاملات میں حارج نہیں۔ اس کے بعد اگر رکاوٹ باقی تھی تو یہ کہ حضرت عائشہؓ پہلے سے جبیر بن مطعم بن عدی سے جو اس وقت تک کفر پر قائم تھا منسوب ہو چکی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے لہٰذا حضرت ابوبکرؓ مطعم کے پاس گئے اس کی بیوی بھی وہاں موجود تھی۔ مطعم نے اپنے بیٹے جبیر کے لئے عائشہ کو مانگا تھا۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو مطعم کی بیوی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری بیٹی سے کر دیں تو تم اسے بھی بے دین (یعنی مسلمان) بنا لوگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مطعم کی جانب متوجہ ہو کر کہا کہ تمہاری بیوی کیا کہہ رہی ہے (یعنی رشتہ سے انکار کر رہی ہے) مطعم نے جواب دیا بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے ہمیں تم سے اور تمہاری بیٹی سے یہی اندیشہ ہے یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ وہاں سے چلے آئے، اب جبیر سے نسبت توڑنے میں کوئی امر مانع نہ تھا چنانچہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کا پیغام قبول کر لیا اور ہجرت سے پہلے نکاح کر دیا ان لوگوں نے اس بنا پر یہ منگنی توڑ دی کہ ان کے آنے سے ان کے گھر میں اسلام کا قدم آ جاوے گا' یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی تبلیغ ہجرت سے تیرہ سال پہلے شروع ہوئی تھی اس لئے ضروری ہے کہ منگنی اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ اس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ بعثت سے ۴ یا پانچ سال پہلے ان کی پیدائش ہوئی تھی نہ کہ بعد میں اس لئے ہجرت کے وقت ان کی عمر ضرور ۱۷ سال ہوگی یہ بات قرین قیاس نہیں کہ حضرت خولہ بنت حکیم، حضور ﷺ کو ایسی بچی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیتیں جو نکاح کے قابل نہ ہو۔ جبیر سے حضرت عائشہؓ کی نسبت اسلام سے قبل بچپن میں ہوئی تھی کیونکہ اسلام کے بعد تو اس کا امکان ہی نہ تھا کیونکہ جبیر بن مطعم کا گھرانہ اسلام کی نعمت سے محروم

تھا۔ اسلام سے قبل نسبت کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ سے ان کا نکاح چھ سال کی عمر میں نہیں بلکہ زیادہ عمر میں ہوا ہے۔

نوٹ

عربی زبان میں نابالغ لڑکی کے لئے ''جاریۃ'' اور اس لڑکی کیلئے جو بالغ ہو'' بکر'' کا لفظ بولتے ہیں۔ ''بکر'' شیب کے مقابلے میں آتا ہے شیب اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو پھر خواہ اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو۔ مسند احمد اور بیہقی کی اس روایت میں بھی خولہ نے عرض کیا بکراوثیبا یعنی باکرہ بھی ہے اور ثیب بھی ہے۔ یہ لفظ بکر (کنواری) اس امر کا ثبوت ہے کہ جب خولہ بنت حکیم نے اس کا تذکرہ کیا تو عائشہؓ بالغہ اور جوان تھیں ورنہ اگر وہ چھ سال کی بچی ہوتی تو خولہ یہ الفاظ کہتیں جاریۃ وثیبا (ایک کم عمر لڑکی اور ایک عورت موجود ہے) اتنا بڑا صریح جھوٹ نہ بولتیں۔

روایات کی حیثیت

بخاری مسلم' داؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کے نکاح کی عمر ۶ سال اور رخصتی کی عمر ۹ سال ظاہر کی گئی ہے اور سلسلہ سند میں ہشام کو بھی شامل کیا گیا ہے لیکن واضح رہے کہ ہشام یہاں اپنے والد کے واسطے سے سامنے آ رہے ہیں اور آجری عقیلی' ابوالاسود اور امام مالک جیسے اہل تنقید کا فیصلہ یہ ہے کہ ہشام کی وہ تمام روایات جو ان کے والد کے توسط سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں وہ قابل وثوق نہیں۔ ایسی تمام روایات میں ہشام محض ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی اپنی ذاتی رائے اور شہادت تو یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی وفات ۵۰ ھ میں ہوئی اور یہ کہ ان کی دادی حضرت اسماءؓ سے حضرت عائشہؓ دس سال چھوٹی تھیں۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی راوی اپنی روایات کے خلاف رائے ظاہر کرے یا اس روایت کے خلاف اس کا عمل ہو تو وہ روایت قابل اعتبار نہیں رہتی۔

اصول حدیث کا یہ قائدہ ہے کہ جب کسی راوی کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو جائے تو اس کی وہ روایات قبول نہیں کی جاتیں جو خرابی حافظہ کے بعد کی ہوں۔ یاد رہے کہ ہشام کی ان ہی روایات کو محدثین نے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے جو عراق میں ظہور پذیر ہوئی تھیں مثلاً کتب صحاح کی وہ روایات جن میں حضرت عائشہؓ اس کی صراحت کرتی ہیں کہ چھ سال کی عمر میں ان کا نکاح ہوا اور ۹ سال کی عمر میں انکی رخصتی عمل میں آئی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ اسناد کا تمام تر عنصر بصری اور کوفی ہے جس کے بارے میں آجری' عقیل اور ابوالاسود کی طرح یعقوب بن ابن شیبہ' ابن خراش اور امام مالک بھی یہی کہتے ہیں کہ ہشام کی عراقی روایات ناقابل اعتبار اور مجروح ہیں ان کی مرویات میں جتنی گڑبڑ ہوئی وہ سب سرزمین عراق میں ہوئی۔ عراق پہنچنے کے بعد ان کے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا عراق کی آب وہوا نے اچھوں اچھوں کا دماغ خراب کیا ہے یہی بات ابن حجر نے کہی ہے کہ ہشام کی وہ روایات ناقابل اعتبار ہیں جو ان سے اہل عراق نقل کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کی رخصتی نو سالہ اور نکاح چھ سالہ ہشام سے اہل عراق نے نقل کیا۔ حضرت عائشہؓ کی گڑیائیں کھیلنے کی کہانیں ہشام سے اہل عراق نے نقل کی ہیں حافظ ذہبی ہشام کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کے حافظہ میں تغیر پیدا ہو گیا تھا ابوالحسن بن القطان کا دعویٰ ہے کہ آخر عمر میں وہ احادیث اور ان کی سندات میں گڑبڑ کرنے لگے بلکہ حافظ عقیلی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے کہ اپنی آخر عمر میں سٹھیا گئے تھے۔

ذہبی میں تحریر کرتے ہیں کہ جوانی میں ان کا حافظہ جیسا عمدہ تھا بڑھاپے میں باقی نہ رہا اور عراق میں تو انہوں نے لوگوں کے سامنے بہت سی ایسی احادیث پیش کیں جنہیں صحیح طور پر بیان بھی نہ کر سکے۔ ابن حجر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عراقی روایات کے باعث تمام اہل مدینہ نے

ن پر اعتراضات شروع کر دیئے خود ہشام نے اپنی مدنی زندگی میں
رمایا تھا جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار احادیث بیان کرے تو نو سو
ے تو زمین پر پھینک مارو اور باقی دس میں بھی شک کرتے
ہے۔ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں جس حدیث کی اصل حجاز
ں نہ پائی جاتی ہو اس کا مغز جاتا رہا۔ یعنی وہ قابل اعتبار نہیں پس
ی تمام روایات جو حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی سے متعلق ہیں
واہ ان کی اپنی زبانی بیان ہوئیں عراق میں ظہور پذیر ہوئی اور اہل
ینہ کو کانوں کان خبر تک نہ ہو سکی ان پر محض اس لئے اعتماد کرنا صحیح نہ
وگا کہ وہ صحاح ستہ کے بعد مولفین کی شرائط کے مطابق ہیں بلکہ یہ
فین اصول شکنی کی بات ہوگی۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ جو روایت
قل صریح کے خلاف ہو یقیناً موضوع ہوگی بلکہ ایسی روایت کے
ویوں پر بحث بھی فضول ہے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ نبی
ریم ﷺ کی ذات اقدس بخاری و مسلم کے راویوں سے زیادہ معظم
ہے اگر کسی روایت سے نبی کریم ﷺ کی شان پر حرف آتا ہو تو ہمارے
یمان کا تقاضا ہے کہ ایسی داستان کو زمین پر دے مارنا چاہئے' اُم
ومنین عائشہ صدیقہؓ نے صحابہ کی مرویات پر تنقید فرمائی اور فرمایا میں
تو نہیں کہتی کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں لیکن کان سننے میں غلطی کر
تے ہیں ہم بھی بقول ام المومنین یہ کہتے ہیں کہ راوی کے سننے میں
طی ہوئی ہے جملہ بولا گیا تھا تسع عشرۃ (انیس) راوی نے صرف تسع
و) کا لفظ سنا اور اس طرح اس غلط داستان اور افسانے نے جنم لیا
ں روایت میں ہشام سے غلطی ہوئی اس نے غلطی سے ''انیس'' کو
و'' بنا دیا۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمتہ نے راویوں کے بیان
ردہ حضرت ابراہیم کے تین جھوٹوں کا ذکر کر کے کہہ دیا کہ بجائے
ں کے کہ ہم پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ذات پر جھوٹ کی نسبت
ریں بہتر ہے کہ راویوں کو جھوٹا کہیں۔

حرف آخر

رسول خدا کے تمام افعال امت کیلئے نمونہ ہیں اور تمام مخلوقات کیلئے آپ رحمت ہیں۔ اس واسطے آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے سو یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چھ برس کی بچی سے نکاح نہیں کیا۔ عام لوگ ذی ہوش ہیں وہ ایسا نہیں کرتے تو رسول ﷺ کی شان تو بہت ارفع اور اعلیٰ ہے ان سے کوئی ناقص فعل ہونا ممکن ہی نہیں۔ اب قارئین کو اختیار ہے کہ راویوں کی بات مانیں یا اکمال کی سند کا یقین کر کے رسول اکرم ﷺ کی توہین سے بچیں۔ علماء سب مانتے ہیں کہ صرف قرآن شریف کا علم یقینی ہے۔ احادیث کا علم ظنی ہے جس کی تدوین رسول خدا ﷺ کے سو سال بعد شروع ہوئی۔ اس لئے نہ تو سب احادیث کو مان سکتے ہیں نہ سب کو ترک کر سکتے ہیں۔ اسی واسطے روایت کے پرکھنے کیلئے درائت کو کسوٹی قرار دیا۔

بشکریہ ہفت روزہ "پریس فورم"

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

درج ذیل احباب اور انکے عزیز واقارب دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

☆.....(مرالہ) منڈی بہاؤالدین سے محمد فیاض کی والدہ۔
☆.....ڈسکہ سے طارق محمود کے نانا جان۔
☆.....محمد یوسف کوہاٹ (حال مقیم اٹک) کے والد۔
☆.....سیف اللہ (ڈیرہ غازی خان) کے ماموں

اللہ تعالی مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے

لعنت سے مراد رحمت سے دوری

''اللہ کی کتاب ہر بنی نوع انسان کے ہر فرد و بشر کیلئے باعث ہدایت ہے۔اس کے دلائل اس کی ہدایت کا سبب ہیں۔اس کا حق یہ ہے کہ یہاں تک ممکن ہو اُس کو پہنچایا جائے، لوگوں کو بتایا جائے' لوگوں کو سمجھایا جائے آگے ان کے نصیب ہیں کہ کسے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔کون ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کون بدنصیب اس سے محروم رہ جاتا ہے لیکن کتاب کا حق یہ ہے کہ وہ لوگوں پر واضح کی جائے اور اگر کوئی اللہ کے حکم کے بعد کتاب کے نزول کے بعد اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے لعنت ہے اور ہر لعنت کرنے والے کی اس پر لعنت ہے۔لعنت سے مراد رحمت سے دوری محرومی اور اللہ کا غضب ہے''۔ ماخوذ از ''اکرم التفاسیر''

تعاون

تاجران کاٹن یارن اینڈ پی سی یارن

شیخ ناصر، شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمانیہ مارکیٹ

منٹگمری بازار فیصل آباد فون 041-2617075-2611857

effort to stop oppression and repression. Jihad means to help the oppressed, restrain the oppressor and bring oppression to an end. Even during the heat of a battle if an oppressor promises to stop his tyranny, the fight must come to an immediate end. There can be no greater enlightenment than Jihad that, the object of dislike should be the evil practice and not the individual. A doctor loves the patient but hates his disease. A human being should be loved and effort should be made to stop him from practising evil; but the evil must be disliked and he should be restrained from doing it. This is the concept of Islamic Jihad. If however, someone starts causing genocide or destruction by his own will and says that he is carrying out Jihad, this is his personal interpretation; it is unfair to label it as Islam. The Jihad that Islam has ordained implies helping the oppressed, restraining the oppressor and ending oppression.

Millions of lives can be sacrificed for each word of the holy Prophet-SAWS, so sweet are his words: "Help your brother whether he is the oppressor or the oppressed." The Companions submitted, "Oh, Messenger-SAWS of **Allah**, helping the oppressed is understandable, but how should we help the oppressor?" He-SAWS replied, "Helping the oppressor means restraining him and helping the oppressed means protecting him." There is no room for personal enmity in Islamic Jihad. A believer fights with the sole motive to restrain oppression. As soon as the tyrant gives up tyranny, the fight comes to an immediate end. Islam portrays the greatest enlightenment even in its concept of Jihad.

The Quran says, 'You know, *you have to return to **Allah***. You are not the first ones to live on this earth. Millions of nations and billions of humans lived here before you. Many kings, rulers, oppressors and oppressed came and went. You have to go too! *And He is Able to do all things*. **He** knows and judges your conduct. **He** can punish as well as pardon. Therefore, the best counsel is to seek forgiveness from **Allah**, repent from sins and lead a blissful life. The Gracious Lord will make your life pleasurable.'

May **Allah** grant us the understanding of this Deen and the guidance to follow it! Ameen!

Questions and Answers

Q 51: Can Zikr be done by any other method besides Zikr with breath?

A 51: We don't do Zikr with breath. Zikr is done by Qalb, while breathing vigorously. If you don't want to breathe vigorously, you can just sit quietly and concentrate on your Qalb. Your mere concentration will initiate Zikr-e Qalbi (Zikr by heart). However, breathing vigorously has two advantages. It increases the body heat and invigorates the blood, which in turn increases its capacity to absorb Divine Lights. It is like colouring a fabric. If you mix a colour with plain water and dip a piece of cloth in it, the cloth may absorb the colour, but such colouring will be temporary and may be washed away with the first wash. However, if you dip the same cloth in boiling coloured water, the colouring will be permanent, lasting a whole lifetime. Likewise, if you sit for Zikr quietly and don't breathe rapidly, you will still get Divine Lights, but these won't be absorbed as much as when your blood has been heated by vigorous breathing. The capacity of absorption increases with blood heat and all seven Lata'if can be illuminated with a single Tawajjuh. This is the difference between doing Zikr quietly and doing it vigorously.

Q 52: The effort to avoid Haraam (prohibited) is greatly emphasised in Tasawwuf. However, what should a guest do when he knows that the source of income of his host is doubtful?

A 52: A guest is not required to investigate the source of income of his host. However, the gloom and impiety of Haraam will certainly affect his Qalb, only that he won't be questioned or punished in the Hereafter.

principle. The rest relates to form and procedure and has been explained by the Quran, Hadith and conduct of the Companions.

*Verily I am a warner from **Him** and a bearer of glad tidings.* My responsibility is to forewarn you about the horrifying consequences of your sins and of the greatest bliss and rewards of your obedience to **Allah**. I have not been deputed to compel you to do something. It is not my status to force you to perform worship. But I tell you something very valuable; you may try to do something good but as a human being you may err, at times you may do something in anger which you shouldn't have done, you may do something in ignorance that you shouldn't have done; *ask forgiveness of your Lord, then turn to **Him** in repentance.* **He** is extremely Forgiving. If you commit a sin, turn to **Him** in repentance. Repentance means the promise to leave a sin and the resolve to never repeat it in the future. It means asking forgiveness for an evil act, promising not to do it again and making a sincere effort to avoid it. 'If you ask forgiveness and turn towards **Allah** in repentance when you may err, ***He** shall let you enjoy a goodly enjoyment until a term appointed.* **He** will grant you a blissful life till an appointed time.'

Someone had asked a strange question once: 'We see that now-a-days many people are buried in the same grave. Many corpses are dumped in the same pit and the dozer levels the ground over them. This way, a pious person may be buried with two sinners in the same grave. How is it possible that he is receiving his Divine reward while the other two are suffering their punishment in the same grave?' I told him, "My brother, let's not talk of grave, but let's talk of this world. Both the husband and his wife live in the same house. They have the closest of relationships. Both are equally responsible to run the affairs of the home. You may see that one of them is happy while the other is sad. Why? They live under the same roof, run the home together, eat, drink and dress in the same way, but both are not equally happy. Normally, they should have been equally happy or equally sad. Similarly, we see two brothers in the lap of the same mother; they live under same conditions, but the likes and dislikes of both are different; one may be laughing, while the other may be crying. Even in this world, each person is living his individual life. If you observe closely, you won't find even two people spending life alike. Even two brothers who sleep on the same bed, have been raised in the lap of the same mother, under the loving care of the same father, will have different standards of likes, dislikes, comfort and discomfort. We have seen, one says 'Switch the fan on,' while the other shouts to put it off. If, living together here, everyone is living his own different life, so shall everyone be in a different state in the grave. Everyone is in his own state, the pious in his own and the evil in his own! What is there in it to wonder?"

If you ask forgiveness from **Allah** and repent when you err: ***He** shall let you enjoy a goodly enjoyment until a term appointed.* **He** will grant you a blissful life till death. **He** is Almighty; if **He** wants to keep a person happy, **He** will make him happy even under the shower of bullets and if **He** wants to make someone miserable, **He** will make him unhappy even on a throne. Everyone has his individual state, which is in the Hands of the Almighty, and only **He** is Aware of it. And **He** is so Gracious that *will grant his grace to every possessor of merit.* **He** will reward everyone according to his actions, efforts and endeavours. But, if you turn away, don't believe in **Allah**, don't pay thanks to **Him**, or try to use **His** universe according to your will, then, *I fear for you the punishment of a Great Day.* I fear that you may face a heavy punishment.

It is something strange! Jihad is considered as the biggest stumbling stone in the path of Islam's enlightenment. Western thinkers, as well as the Muslim intellectuals of today dread this world 'Jihad'. However, killing someone on the street is not Jihad, spraying with bullets or throwing bombs in a place of worship is not Jihad, even if it is house of idol worship; Shari'ah doesn't allow you to destroy it. Then, what is Jihad? Jihad is the

the fingers should be dipped in a curry or soup. If the fingers are so dipped and later sucked, the germs produced from the fingertips greatly help in food digestion. More than fourteen centuries ago the holy Prophet Muhammad-SAWS had instructed that food should be eaten with the hand, dipping the fingers in the soup and sucking them before washing. If science reiterates the same fact today, it is branded as enlightenment; otherwise it would be considered an act of incivility.

Once Maulana Ashraf Ali Thanvi was travelling in a train. An Englishman was also travelling in the same compartment, alongwith his dog. Time and again the dog went close to Maulana Thanvi, who reproached it. Ultimately, he asked the Englishman to chain it and keep it away. The Englishman said, "Maulana, I have heard Islam is a religion of accommodation and enlightenment. The dog is also a creation of **Allah**, but you don't let it come near you. What kind of enlightenment is it?" Maulana replied, "The reason that is enough for me is that my Prophet, my master-SAWS has said it is a dirty animal, it should not be touched and should not be allowed to brush up against ones' clothes. This reason is enough for me. Yes, it is a creation of **Allah**, it has a right to live. If it is thirsty, it should be given water; if it is hungry, it should be fed. But if it is touched, the hands become dirty. If it brushes up against ones' clothes, it will pollute them. But this reason is not sufficient for you, because you don't believe in the holy Prophet-SAWS. My reason for you is that you Englishmen like those who bite their own genus and wag their tail before you, while we don't like such scoundrels. The dog bites its own class and wags its tail before everyone who gives it a piece of bread. You like this nature and such people, while we consider them hypocrites and dislike them. This is the reason for you, but for me the instruction of my holy Prophet-SAWS is sufficient. There is no need for any other reason besides it."

The Quran is the Book of **Allah** and this is reason enough for it to be true; there is no need for any other reason. Despite that, it says, *the verses of which are full of logic,* every verse of the Quran contains wisdom and its truth is established through logic, it expounds everything and explains the details of every action and deed, because its Revealer is the Wise, the Knower. It is the Word of **Allah**, the Wise, the Knower, Who knows the details of each and everything. The Quran has given a simple formula and hasn't indulged in any lengthy discussion; it has simply said, *Don't worship anyone other than **Allah***. Unfortunately, we have confined 'worship' to the performance of Salah and Saum only and don't include our remaining deeds in worship. This is our mistake! Every action of man, including conversation, movement and even earning is either worship of **Allah** or **His** disobedience. The holy Prophet-SAWS said, "Anyone who deliberately leaves Salah has committed Kufr (disbelief)." There is a consensus of religious scholars on the point that leaving Salah is a sin and not Kufr, while denial of Salah is Kufr. So, what shall be the meaning of this Hadith? They opine that this Hadith means that anyone who deliberately leaves Salah has done something that a disbeliever would do. Every action of life is either Islam or akin to Kufr. If a person is a believer and does something outside the obedience of **Allah** and **His** Messenger-SAWS, his act is like the act of disbelievers.

Islam is a simple affair. *Don't worship anyone other than **Allah***. This defines all principles of life. All aspects of life including friendship, enmity, trade or business should remain within the parameters of Shari'ah. Anything that is done within the limits of Shari'ah becomes worship. According to an Hadith of the holy Prophet-SAWS, even a morsel fed by a believer to his children is considered an act of worship. It was submitted, "O Messenger-SAWS of **Allah**! The feeding of his children is an obligatory duty imposed on him by **Allah**." He-SAWS replied, "The discharge of obligatory duties is called worship. If he fulfils his obligation, he performs worship." Islam, in essence, is this brief and beautiful

because all human beings have the same basic rights, whether they are believers or disbelievers. Even a disbeliever must be provided with the security of life, property and honour, afforded medical and educational facilities, and the opportunities of a job and a business - Islam allows no discrimination. What can be a greater enlightenment that a person who doesn't even believe in **Allah** and **His** Prophet, who must also be afforded the security of life, property and honour? If you talk about Islam, this is what Islam wants, but if you talk about today's Muslims, that is different. Here, it is not the non-Muslims who are insecure; here every Muslim is in danger from every other Muslim. Your conduct and mine do not portray Islam. Islam comprises the Book of **Allah**, instructions of the holy Prophet-SAWS and the code of conduct described by him. If someone acts contrary to this code, then he alone is responsible; Islam cannot be stigmatised for his conduct. It is the responsibility of the state to ensure the protection of life, property and honour of every citizen. It is the responsibility of the Islamic state to ensure job opportunities for every citizen, so that none remains jobless; similarly this is the responsibility of the state to ensure that everyone gets medical treatment, whether he is a Muslim or a non-Muslim; this is his human right. This is also the responsibility of the state to ensure that every child gets an education. Now, can there be any greater enlightenment?

A Book, the verses of which are full of logic. Islam has granted a syllabus of life, a Book. It is not correct that you cling to this Book because of your reverence for it, that is, you believe whether it says something wrong and you also believe if it says something right - that is not the case. This is a Book, whose every instruction is proved by logic. None of its instructions is without reason. The Science that you brand as the light of modern time, is far behind Islam, far far behind! After more than fourteen centuries, if science discovers a fact, there is instant uproar that science has done a wonder. But the Quran had disclosed that fact much earlier, when there was neither any scientist nor any instrument. Referring to the Companions of the Cave, the Quran mentions: *We clamped sleep on their ears for ages.* After more than fourteen hundred years, Science has stated that sleep is related to the ears and not the eyes. A person may be feeling very sleepy, but if you started making noise, he won't be able to sleep. Similarly, someone may be in deep sleep and you started making noise, he will wake up. It establishes that sleep is related to a person's faculty of hearing. If a child is playing and not wanting to sleep, the mother would sing him a lullaby. Being an infant, he doesn't understand the meanings of the words, but he hears the tone, the rise and fall of the pitch. These audio effects that reach his ears lull him to sleep. During sleep, the eyes get closed but the ears continue to function. As soon as some sound reaches the ears, one wakes up. After centuries of research, science has established that sleep, rest and peace of mind are related to the faculty of hearing. If that is disturbed, one cannot rest or sleep. The Quran referred to the Companions of the Cave fourteen hundred years ago, ***We*** *clamped sleep on their ears for centuries*, while science discovered the same phenomenon after fourteen centuries. Believing science is considered enlightenment while believing the Quran is branded as fundamentalism. What an enlightenment!

There are hundred of such examples in Hadith. Science has come up with another discovery. The use of fork and knife was started in 'the land of scientists'. A major part of the western world remains covered with snow during a major part of the year. These people didn't take the trouble to wash their hands and used forks and knives to eat food, because their hands were dirty. The use of forks and knives wasn't adopted as a symbol of civility or nobility, but for the simple fact that they were unclean and uncivilised people who didn't wash their hands for days, and started using forks and knives instead of their dirty hands. Today's western scientist says that food should be eaten with your hands and that

Islam and Enlightenment

Translated Speech of

His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Dar ul-Irfan, 17th September 2004

1. *Alif, Lam, Ra. A Book, verses of which are full of logic and then detailed, from before the Wise, the Aware*
2. *(Say O Prophet): You shall not worship except* ***Allah****. Verily, I am a warner from* ***Him*** *and a bearer of glad tidings.*
3. *and that: ask forgiveness of your Lord, then turn to* ***Him*** *in repentance.* ***He*** *shall let you enjoy a goodly enjoyment until a term appointed and will grant his grace to every possessor of merit. And if you turn away, I fear for you the torment of a Great Day.*
4. *to* ***Allah*** *is your return and* ***He*** *is Able to do all things.*

(Hood 11:1-4)

Today we stand at a crossroads, where a new point is being advanced, both internationally as well within the country, that there should be 'enlightenment' in the religion. This point appears strange, also for the reason that, from its beginning till date and till the Last Day, Islam is religion of Light; Islam is not the name of darkness. Darkness denotes Kufr; the Quran has used the word darkness for Kufr. Islam is the light against darkness. Enlightenment is not that people should lead immoral and sinful lives. Nor it is that the stronger class should usurp the rights of the weaker class. It is not enlightenment either, that the rich should grab the morsels and rights of the poor. Enlightenment cannot also mean that the mighty should suppress the feeble, as if the latter were destined to suppression. No sensible person will call such attitudes as 'enlightenment'. If we want to define enlightenment, its first clause would be that no person should impose his will on any other person. If I have my likes and dislikes, the other person is also a human being; if I want to spend my life according to my will, I should allow the other person to spend his life according to his will. In Islam, the base as well as the most important column is the belief about **Allah**. In my opinion, the greatest enemy of Islam should be the one who doesn't believe in **Allah** - and that is how it should be! Someone may differ, but when the base of Islam rests on the Unity of **Allah** and Prophethood of the holy Prophet-SAWS, I think its greatest enemy will the one who doesn't accept this fact. Now, what should be done to him? Should he be murdered? Should he not be allowed to live? Should he be boycotted completely? Or should he be compelled to become a Muslim? Islam doesn't allow any such measure!

Enlightenment is the Islamic principle that whether a person wants to believe **Allah** or not; his human rights should be fulfilled in the same manner as that of a believer. Human rights include the security of his life, to which there should be no danger - this is the responsibility of the state. He may be a believer or a disbeliever, his life, property and honour must be protected. Nobody should be allowed to grab his property, molest his honour or take his life. What can be a greater enlightenment! It is said that, nobody should be compelled to accept Faith. If someone doesn't want to accept Faith, still he retains the right to live, he has the right to do business, his health should be taken care of, medical attention should be provided for him, and his children should be afforded decent educational facilities. This is his basic right. These are the rights of a believer also,

ترویج اسلام

''عجیب بات ہے جب یہ موجودہ رسائل، اخبار، کتابیں، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن اور الیکٹرونکس میڈیا نہیں تھے اور بات اس طرح پہنچتی تھی کہ کوئی بندہ ہی بندے تک بات پہنچائے۔ اس وقت آپ ﷺ کی تعلیمات روئے زمین پر پہنچیں۔ ۲۳ برس قرآن حکیم نازل ہوتا رہا۔ جب مکمل ہوا تو حضور ﷺ نے دار دنیا سے پردہ فرمایا لیکن ایک ایسی مقدس صالح اور امین جماعت تیار فرمائی جس نے نزول قرآن کے بعد ٹھیک ۲۳ برسوں کے اندر گداگر کے جھونپڑے سے لیکر بڑے سے بڑے شہنشاہ کے محل تک حضور ﷺ کا پیغام پہنچا دیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تیئس برسوں میں روئے زمین کا اتنا علاقہ اسلامی ریاست میں شامل ہو چکا تھا اور اتنی بڑی بڑی سلطنتیں فتح ہو کر اسلامی ریاست میں شامل ہو چکی تھیں کہ اسلام کی بات روئے زمین پر پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔''

ماخوذ از ''اکرم التفاسیر''